

روحانی ڈائجسٹ

ROOHANI-DIGEST.com

روحانی ڈائجسٹ فچرز سیکشن روحانی ڈاک سلسلہ عظیمیہ آن لائن سروس ملٹی میڈیا ڈاؤن لوڈز نیوز ڈیسک

ٹیلی پیڈی سسٹم



خواجہ شمس الدین عظیمی

مکملی پتھی

خواجہ شمس الدین عظیمی

ٹیلی ویژن سسٹم



خواجہ شمس الدین عظیمی

ٹیلی ویژن سسٹم
 لکچر ۱
 ۲۰۰۶

انتساب

اُن شاداب دل دوستوں کے نام جو مخلوق
کی خدمت کے فریے انسانیت کی معراج
حاصل کرنا چاہتے ہیں

اور

اُن سائنس دانوں کے نام جو سن دو ہزار چھ
عیسوی کے بعد زمین کی مانگ میں سینڈ
بھریں گے

امان اللہ بیچائی لائبریری

لیٹ نمبر DS-4 ہلاکی
D ماؤنٹنگ کمپلکس بورڈ
ٹاسم اتھارٹی کراچی 7806

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ

جملہ حقوق محفوظ
ناشر ۱- مکتبہ روحانی ڈائجسٹ
۱- کے ۱۳- ناظم آباد
پوسٹ بکس ۲۲۱۳ - کراچی
مطبوعہ ۱- عطیہ پرنٹرز ناظم آباد
کراچی ۱۸ - فون ۶۲۷۷۳۳
ہدیہ (۲۰) روپیہ

فہرست

۶	پیش نظر	۷۶	ٹیلی پیچی اور سانس کی شقیں
۹	ٹیلی پیچی کیا ہے ؟	۸۰	ٹیلی پیچی کا دوسرا سبق
۱۲	نظر کا قانون	۸۲	منکر سلیم
۱۶	ٹائم آپٹیس	۸۵	قبر میں پیر
۲۰	اہکستانی نظام	۸۶	انسان، فرشتے اور جنات
۲۴	حضرت سلیمان کا دربار	۹۱	ایک انسان ہزاروں جسم
۳۱	خیالات کے تبادلہ کا قانون	۹۳	شیر کی عقیدت
۴۰	ارتکاز و توجہ	۹۵	ہروں میں رد و بدل کا قانون
۴۵	ٹیلی پیچی کا پہلا سبق	۹۷	کیفیات و واردات سبق ۱
۴۷	سٹاس اور نمک	۹۸	نورانی بال
۵۱	آئینہ بینی	۹۹	گناہوں کی دلدل
۵۸	کیفیات و واردات سبق ۲	۱۰۰	نور کی بارش
۶۲	نیند کی دیوی	۱۰۱	چسراغ اور موم بتی
۶۳	نور میں ڈوبی ہوئی کائنات	۱۰۴	جھاڑو اور کمزور شخص
۶۴	تیسری آنکھ	۱۰۶	علم کی درجہ بندی
۶۶	دعا قبول ہوئی	۱۱۳	دماغی کشمکش
۶۷	ڈوب ڈوب کر ابھرنا	۱۱۶	ٹیلی پیچی کا تیسرا سبق
۶۸	جنت کا باغ	۱۱۹	سانس کا عقیدہ
۷۱	آواز خیالات کے دوش پر	۱۲۱	درخت بھی گفتگو کرتے ہیں

۱۲۳	کیفیات و واردات سبق ۱	۱۶۱	اوقات شوق
۱۲۵	دروازہ کھلا	۱۶۱	سانس لینے کی تعداد
۱۲۶	آخری تالاب	۱۶۱	نقطہ بینی
۱۲۷	دانا گنج بخش کامزار	۱۶۱	ضروری تاکید
۱۲۸	آگ کی پست	۱۶۲	چھٹے سبق کے دوران تپ ہوئی کیفیت
۱۳۰	باطنی آنکھ	۱۶۶	ٹیلی پیچی کا ساتواں سبق
۱۳۳	تصور کی صحیح تعریف	۱۶۶	سانس کی شوق
۱۳۷	ٹیلی پیچی کا چوتھا سبق	۱۶۶	اوقات شوق
۱۳۹	۱۲۶ عناصر	۱۶۶	سانس لینے کی تعداد
۱۴۲	انٹینا (ANTENNA)	۱۶۹	ٹیلی پیچی کے ذریعے تصرف کا طریقہ
۱۴۵	کیفیات و واردات سبق ۱	۱۷۰	منار مولا
۱۴۶	احساس کمتری سے نجات	۱۷۲	ٹیلی پیچی کے کینسر کا علاج
۱۴۸	سونے کے محل	۱۷۳	ٹیلی پیچی کا آٹھواں سبق
۱۵۱	عالم تمام حلقہ دام خیال ہے	۱۷۳	سانس کی شوق
۱۵۳	قانون فطرت	۱۷۳	اوقات شوق
۱۵۶	ٹیلی پیچی کا پانچواں سبق	۱۷۳	سانس لینے کی تعداد
۱۵۹	ٹیلی پیچی کا چھٹا سبق	۱۷۵	دماغ ایک درخت
۱۶۰	قید و بند کی حالت	۱۷۸	روحانی انسان
۱۶۱	سانس کی شوق	۱۸۰	روحانیت اور استدراج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ جو اس دور کی ایک عظیم روحانی ہستی ہیں اپنی گرانقدر تصنیف "تذکرہ تاج الدین بابا" میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی ہر سہولت کے معنی محقق کر لئے جاتے ہیں، سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی بنیاد پر عمل کیا گیا ہے جو ان کی ہر سہولت کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف جنبش سے سب کو کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کو سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقے کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی ان کی ہر سہولت کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آنے والے سامنے کے درختوں میں نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنگروں، پتھروں، مٹی کے ذروں میں من و عن ایسی طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔"

"انبیاء اور روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کتنے ہی واقعات اس کے شاہد ہیں۔ ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کا مندرجہ ہے۔ اس کے ذریعے غیب و شہود کی ہر سہولت دوسری ہر سہولت کے معنی سمجھتی ہے، چاہے یہ دونوں ہر سہولت کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں غیب و شہود کی فراست اور معنویت کائنات کی رگ جہاں ہے۔ ہم اس رگ جہاں میں جو خود ہماری اپنی

رگ جہاں بھی ہے، تفکر اور توجہ کر کے اپنے بتارے اور دوسرے بتاروں کے آثار و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ انسانوں اور حیوانوں کے تصورات، جذبات و فرشتوں کی حرکات و سکنات، نباتات و جمادات کی اندرونی تحریکات معلوم کر سکتے ہیں۔"

"مسئلہ توجہ دینے سے ذہن کائناتی لاشعور میں تحلیل ہو جاتا ہے اور ہمارے سراپا کا حقیقی پرست ان کی گرفت سے آزاد ہو کر ضرورت کے مطابق ہر چیز کو دیکھتا، سمجھتا اور محسوس کرتا ہے۔" اپریل ۱۹۷۹ء میں جب روحانی ڈائجسٹ میں ٹیلی میٹھی کے اسباق شروع کئے گئے تو ہمارے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ اس ذریعہ سے پاکیزہ نفسوں، شفاف ذہنوں پر قدم قدم چل کر غیب و شہود کی وہ فراست اور معنویت، توفیق و سعادت کی حدوں میں منکشف ہو جائے جو فراست اور معنویت حضور بابا صاحب کے الفاظ میں کائنات کی اور ہماری اپنی بھی رگ جہاں ہے۔

مقام تشکر و امتنان ہے کہ اللہ رب العزت نے ہماری کوشش کو درجہ قبولیت عطا کیا۔ آئندہ صفحات میں محفوظ ٹیلی میٹھی کے اسباق پر عمل پیرا ہونے والے طلباء اور طالبات کی رُوح پرورد و ادرات و کیفیات اس کی شہادت دیتی ہیں۔

ٹیلی میٹھی یعنی انتقال خیال کی تکنیک، ستری علوم کی وہ شاخ ہے جسے عصر حاضر میں سب سے زیادہ عام توجہ حاصل ہوئی ہے۔ مغربی ممالک میں اور خود ہمارے ملک میں بھی ٹیلی میٹھی کے موضوع پر ہزار کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں۔ جن کی علمی و عملی حیثیت پر کوئی تبصرہ کرنا اس وقت مقصود نہیں تاہم آنا ضرور کہنا ہے کہ انتقال خیال کے علم کو، پہلے روحانی ڈائجسٹ کے صفحات میں اور اب اس مکمل کتاب کی صورت میں، جس نظری تشریح اور عملی رہنمائی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس کی مثال کتابی علوم میں اس سے پہلے نہیں ملتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے اس کا ماخذ انگریزی کتب نہیں بلکہ اس کا سرچشمہ ہمارے روحانی اسلاف کا وہ عظیم نشان درخش ہے جو سینہ بسینہ منتقل

ہوتا رہا ہے۔ یہ ہمارے بزرگوں کا فیضان ہی ہے جس کی بدولت ٹیلی پتھی سیکھنے والے حضرات و خواتین میں وہ طرز فکر منتقل ہوتی چلی گئی جسے حتمی طرز فکر کہا جاتا ہے۔ ان کے کُخ درست ہو گئے اور وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ **اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ**

اس کتاب کی اشاعت کے اعلان کے بعد سے ایسا لگتا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں کوئی کنکری پھینک دی گئی ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک دائرے بنتے چلے گئے اور ہر دائرہ قبولِ عام کی زندہ تصویر بن گیا۔ اللہ لطیف و خیر کی طرف سے یہ بہت بڑا انعام ہے کہ کتاب چھپنے سے پہلے ہی شہر شہر، قریہ قریہ، بازاروں اور نجی محفلوں میں اس کا تذکرہ عام ہو گیا۔ میں اپنے کرم فرما دوستوں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے خلوص و محبت کی دولت بخشی ہے۔ بواسطہ رحمتِ عالمین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور دعا ہے کہ میری یہ کوشش مخلوقِ خدا کیلئے ذریعہ نجات بنے اور پریشان حال لوگ اس مقام پر فائز ہو جائیں جس کا تذکرہ خود خالقِ کائنات نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ **الْآيَاتُ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ**۔

جس طرح دنیا میں کسی بھی رائج علم کو سیکھنے کے لئے استاد ایک اہم ضرورت ہے، اسی طرح اس کتاب میں دی ہوئی تدبیروں پر عمل کرنے کے لئے کسی استاد کی رہنمائی بہت ضروری ہے۔ موجودہ سائنسی دور میں علمِ نفسیات (PSYCHOLOGY) اور علمِ مابعدِ النفسیات (PARAPSYCHOLOGY) کے استاد اور روحانی (SPIRITUAL) سلسلوں کے فیض یافتہ بزرگ بڑی آسانی کے ساتھ یہ فرائض انجام دے سکتے ہیں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ
خواجہ شمس الدین عظیمی

ٹیلی پتھی کیا ہے؟

سائنس کی دنیا ہکشانِی اور شمسی نظاموں سے اچھی طرح روشناس ہے۔ ہکشانِی اور شمسی نظاموں کی روشنی سے ہماری زمین کا تعلق کیا ہے اور ان نظاموں کی روشنی زمین کی نوعوں انسان، حیوانات، نباتات اور جمادات پر کیا اثر کرتی ہے یہ مرحلہ سائنس کے سامنے آچکا ہے۔ سائنس دانوں کو یہ سمجھنا پڑے گا کہ شمسی نظاموں کی روشنی حیوانات کے اندر، نباتات کے اندر اور جمادات کے اندر کس طرح اور کیا عمل کرتی ہے اور کس طرح جانوروں، انسانوں، نباتات اور جمادات کی کیفیات میں رد و بدل کرتی رہتی ہے۔ سائنس کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین پر ہر موجود شے کی بنیاد یا قیام ہر اور صرف ہر ہے، ایسی ہر جس کو روشنی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔

ٹیلی پتھی میں ایسے علوم سے بحث کی جاتی ہے جو حواس کے پس پردہ شعور سے چھپ کر کام کرتے ہیں۔ یہ علم ہمیں بتاتا ہے کہ ہمارے حواس کی گرفت محض مفروضہ ہے۔ مثال :

ہم جب کسی سخت چیز کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس چیز کی سختی کا علم ہو جاتا ہے حالانکہ ہمارے دماغ کے اوپر وہ سخت چیز ٹکراتی نہیں ہے۔ سائنس کے نقطہ نظر اور اور مخفی علوم کی روشنی میں ہر شے دراصل شاعوں یا ہرروں کے مجموعہ کا نام ہے جب ہم کسی

لکڑی یا لوہے کی طرف کسی بھی طریقہ سے متوجہ ہوتے ہیں تو لکڑی یا لوہے کی شعاعیں ہمارے دماغ کو باخبر کر دیتی ہیں۔ باخبری کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لکڑی یا لوہے کی سختی کو چھو کر محسوس کیا جائے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ شعاع یا لہر اپنے اندر سختی رکھتی ہے اور نہ وزن۔ پھر اس میں یہ علم کیسے ہو جاتا ہے کہ فلاں چیز سخت ہے یا فلاں چیز نرم ہے۔ ہم پانی کو دیکھتے ہیں یا چھوتے ہیں تو فوراً ہمارے دماغ میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ پانی ہے حالانکہ ہمارے دماغ میں پانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی دماغ بھیگتا نہیں ہے۔ جب ہمارا دماغ بھیگا نہیں ہے تو ہم یہ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ یہ پانی ہے۔

رنگ کی قسمیں ساٹھ سے زیادہ دریافت ہو چکی ہیں۔ جب ہم کوئی رنگ دیکھتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ ہم اس رنگ کو فوراً پہچان لیتے ہیں بلکہ رنگ کے ہلکے یا تیز اثرات سے براہ راست متاثر ہوتے ہیں۔ ہر رنگ اور ہر پالی دیکھ کر ہمیں سکون محسوس ہوتا ہے۔ مسلسل اور متواتر سرخ رنگ سامنے رہنے سے ہمارے دماغ پر ناگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اعتدال سے زیادہ سرخ رنگ کے اثرات دماغ کو غیر متوازن بھی کر دیتے ہیں۔

حقائق یہ ہیں کہ ہر شے الگ اور معین مقدار کے ساتھ وجود پذیر ہے۔ لہروں یا شعاعوں کی معین مقدار ہی ہر شے کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں۔ اور ہر شے کی لہریں یا شعاعیں ہمیں اپنے وجود کی اطلاع فراہم کرتی ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ ہر وجود شے دراصل لہروں یا شعاعوں کا دوسرا نام ہے اور ہر شے کی لہریں یا شعاع ایک دوسرے سے الگ یا مختلف ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ انسان، حیوانات اور جمادات میں

کس کس قسم کی لہریں کام کرتی ہیں اور ان لہروں پر کس طرح کنٹرول حاصل کیا جاتا ہے تو ہم ان چیزوں کو متاثر کر سکتے ہیں۔ لہریں یا شعاع دراصل ایک جاری و ساری حرکت ہے اور ہر شے کے اندر لہروں یا شعاعوں کی حرکت کا ایک فارمولہ ہے۔ ہمارے ارد گرد بہت سی آوازیں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ آوازیں بھی لہروں کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کے قطر WAVELENGTH بہت چھوٹے اور بہت بڑے ہوتے ہیں۔ سائنس دانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ چار سو قطر سے نیچے کی آوازیں آدمی نہیں سن سکتا اور ایک ہزار چھ سو قطر سے زیادہ اونچی آوازیں بھی آدمی نہیں سن سکتا۔ چار سو قطر سے نیچے کی آوازیں برقی رو (لہر) کے ذریعے سنی جاسکتی ہیں۔ اور ایک ہزار چھ سو قطر سے اوپر کی آوازیں بھی بجز برقی رو کے سننا ممکن نہیں۔ آنکھ کے پردوں پر جو عمل ہوتا ہے وہ رو یا لہر سے متعلق ہے۔ آنکھ کی جس جس قدر تیز ہوتی ہے اتنا ہی وہ رو کو زیادہ قبول کرتی ہے۔ اور اتنا ہی رو میں امتیاز کر سکتی ہے۔ ٹیلی ویژن کا اصل اصول یہی ہے کہ مشق کے ذریعے آنکھ کی جس کو اس قدر تیز کر دیا جائے کہ صاحبِ مشق رو اور جو اس کی لہروں میں امتیاز کرے۔ آنکھیں بھی جو اس میں شامل ہیں لیکن یہ ان چیزوں کا جو باہر سے دیکھتی ہیں زیادہ اثر قبول کرتی ہیں۔ باہر کا عکس آنکھوں کے ذریعے اندرونی دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جو اس تازہ یا افسردہ ہو جاتا ہے، کمزور ہو جاتا ہے یا طاقتور۔ ان ہی باتوں پر دماغی کام کا انحصار ہوتا ہے۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ ایک ہزار چھ سو قطر سے نیچے کی آوازیں برقی رو کے ذریعے سنی جاسکتی ہیں اور یہ اس لئے ممکن ہے کہ ہمارے تمام حواس اور خیالات بجائے خود "برقی رو" ہیں۔ اگر ہمارے خیالات برقی رو سے الگ کوئی چیز ہوتے تو برقی رو کو قبول ہی نہ کرتے۔ ٹیلی ویژن میں یہی خیالات جو دراصل برقی رو ہیں دوسرے آدمی کو منتقل کئے جاتے ہیں خیالات

منتقل کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ یہ رو کسی ایک ذرہ پر یا کسی ایک سمت میں یا کسی ایک رخ پر مرکوز ہو جائے۔ اگر یہ تھوڑی دیر بھی مرکوز رہے تو دور دراز تک اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔ انسان کو اور ان چیزوں کو جو ذی روح نہیں سمجھی جاتیں ان کو بھی اس رو کے ذریعے متاثر کیا جاسکتا ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ باہر نہیں دیکھتے۔ کائنات کا ہر منظر ہمارے اندر موجود ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ ہمارے سامنے موجود ہے حالانکہ خارج میں کسی شے کا وجود محض مفروضہ ہے۔ ہر شے ہمارے INNER میں قیام پذیر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کسی چیز کا مشاہدہ اپنے اندر کرتے ہیں۔ اور یہ سب کا سب ہمارا علم ہے۔ اگر فی الواقع کسی شے کا علم حاصل نہ ہو تو ہم اس چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔ ٹیلی پتھی میں پہلے پہل پیش کرائی جاتی ہے کہ اشیاء ہمارے اندر موجود ہیں۔ مشق کی تکیوں کے بعد انسان یہ دیکھنے لگتا ہے کہ فلاں چیز میرے اندر موجود ہے اور مسلسل توجہ کے بعد اس چیز پر نظر بٹھرتی جاتی ہے۔ ارتکاز توجہ کے لئے سانس کی مشق اور مراقبہ کرایا جاتا ہے۔

نظر کا قانون | مشقوں کا تذکرہ کرنے سے پہلے نظر کا قانون سمجھ لینا ضروری ہے۔ آدمی دراصل نگاہ ہے۔ نگاہ یا بصارت جب کسی شے پر مرکوز ہو جاتی ہے تو اس شے کو اپنے اندر جذب کر کے دماغ کے اسکرین پر لے آتی ہے۔ اور دماغ اس چیز کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور اس میں مٹی پہناتا ہے۔ نظر کا قانون یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو اپنا ہدف بناتی ہے تو دماغ کی اسکرین پر اس شے کا عکس پندرہ سیکنڈ تک قائم رہتا ہے اور پلک جھپکنے کے عمل سے یہ آہستہ آہستہ مدھم ہو کر حلقہ میں چلا جاتا ہے۔ اور دوسرا

عکس دماغ کی اسکرین پر آ جاتا ہے۔ اگر نگاہ کو کسی ہدف پر پندرہ سیکنڈ سے زیادہ مرکوز کر دیا جائے تو ایک ہی ہدف بار بار دماغ کی اسکرین پر وارد ہوتا ہے اور حافظہ پر نقش ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً ہم کسی چیز کو پلک جھپکائے بغیر مسلسل ایک گھنٹہ تک دیکھتے ہیں تو اس عمل سے نگاہ قائم ہونے کا وصف دماغ میں پیوست ہو جاتا ہے اور دماغ میں یہ پوسٹنگی ذہنی انتشار کو ختم کر دیتی ہے۔ ہوتے ہوتے اتنی مشق ہو جاتی ہے کہ شے کی حرکت صاحبِ مشق کے اختیار اور تصرف میں آ جاتی ہے۔ اب وہ شے کو جس طرح چاہے حرکت دے سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نگاہ کی مرکزیت کسی آدمی کے اندر قوت ارادی کو جنم دیتی ہے اور قوت ارادی سے انسان جس طرح چاہے کام لے سکتا ہے۔ ٹیلی پتھی کا اصل اصول بھی یہی ہے کہ انسان کسی ایک نقطہ پر نگاہ کو مرکوز کرنے پر قادر ہو جائے۔ نگاہ کی مرکزیت حاصل کرنے میں کوئی نہ کوئی ارادہ بھی شامل ہوتا ہے۔ جیسے جیسے نگاہ کی مرکزیت پر عبور حاصل ہوتا ہے اسی مناسبت سے ارادہ مستحکم اور طاقتور ہو جاتا ہے۔ ٹیلی پتھی جاننے والا کوئی شخص جب یہ ارادہ کرتا ہے کہ اپنے خیال کو دوسرے آدمی کے دماغ کی اسکرین پر عکس کر دے تو اس شخص کے دماغ میں یہ ارادہ منتقل ہو جاتا ہے۔ وہ شخص اس ارادے کو خیال کی طرح محسوس کرتا ہے۔ اگر وہ شخص ذہنی طور پر یک سو ہے تو یہ خیال تصور اور احساسات کے مراحل سے گزر کر منظر بن جاتا ہے۔ اگر اسی ارادہ کو بار بار منتقل کیا جائے تو دماغ اگر یک سو نہ رہی ہو تو یک سو ہو کر اس خیال کو قبول کر لیتا ہے اور ارتکاز توجہ سے خیال عملی جامہ پہن کر منظر عام پر آ جاتا ہے۔ ٹیلی پتھی، محض خیالات کو دوسرے تک منتقل کرنے کا علم ہی نہیں ہے بلکہ اس علم کے ذریعے ہم اپنی زندگی کا مطالعہ کر کے زندگی کو خوش آئند تصورات سے بریز کر سکتے ہیں زندگی خواہشات، تمناؤں اور آرزوؤں کے تلے بانے پر قائم ہے۔

زندگی بنیادی طور پر خواہشات کے خیر سے مرکب ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو
 کے اندر پہلی خواہش بھوک کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور جب ماں بچہ کو سینے سے لگاتی
 ہے تو بچہ اپنی اس خواہش کی تکمیل اس طرح کرتا ہے جیسے یہ ماں کے پیٹ سے ہی یہ عمل سیکھ کر
 آیا ہے۔ خواہشات کی تکمیل کے مراحل طے کرنے کا دوسرا نام نشوونما ہے۔ خواہشات کی
 تکمیل دو طرح ہوتی ہے۔ ایک شعوری طور پر اور دوسرے لاشعوری طور پر۔ شعور اور لاشعور
 دراصل ایک درجہ کے دو صفحے ہیں۔ ایک صفحہ پر خیالات اور تصورات کے نقوش زیادہ روشن
 اور واضح ہیں۔ دوسرے صفحہ پر دھندلے اور کم روشن۔ جس صفحہ پر نقوش زیادہ روشن اور
 واضح ہیں اس صفحہ کا نام لاشعور ہے اور جس صفحہ پر نقوش دھندلے اور کم روشن ہیں اس صفحہ کا
 نام شعور ہے۔ روحانیت میں یہ بات مشاہدہ کرائی جاتی ہے کہ روشن اور واضح خیالات میں
 ٹائم اسپیس نہیں ہوتا۔ غیر واضح خیالات اور تصورات کا ہر قدم ٹائم اسپیس کے ساتھ بندھا
 ہوتا ہے۔ ہم جب کسی ایک خواہش اور اس کی تکمیل کا تجربہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات
 آتی ہے۔ خواہش کو جب الگ معنی پہنچا دیے جاتے ہیں تو اس کی الگ ایک حقیقت بن جاتی
 ہے۔ مثلاً بھوک ایک خواہش ہے اور اس کی تکمیل کا ذریعہ کچھ کھانا ہے۔ ایک آدمی بھوک
 کی تکمیل روٹی اور گوشت کھا کر کر لیتا ہے۔ دوسرا گوشت کی بجائے کسی اور غذا سے پیٹ
 بھر لیتا ہے۔ شیر گھاس اور پتے نہیں کھانا، بکری گوشت نہیں کھاتی۔ ایک آدمی کو انتہائی
 درجہ سٹھائی سے رغبت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس دوسرا شخص نمکین چیزیں زیادہ پسند کرتا
 ہے۔ اس حقیقت سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان کی زندگی میں خوشی
 اور غم کا تعلق براہ راست خیالات اور تصورات سے وابستہ ہے۔ کوئی خیال ہمارے
 لئے مسرت آگیاں ہوتا ہے اور کوئی خیال انتہائی گرناک۔ ڈر، خوف، شک، حسد،

طمع، نفرت و حقارت، غرور و تکبر، خود نمائی وغیرہ سب خیالات کی پیداوار ہیں
 اور اس کے برعکس محبت، ایثار، یقین، انکساری اور حزن و ملال کا ہونا بھی خیالات کی
 کار فرمائی ہے۔ بیٹھے بیٹھے یہ خیال بھلی کی طرح کوند جاتا ہے کہ ہمارے باہماری اولاد کے
 ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے گا، حالاں کہ حادثہ پیش نہیں آیا۔ لیکن یہ خیال آتے ہی حادثات
 سے متعلق پوری پریشانیاں کڑی در کڑی ہم اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ اور اس سے متاثر
 ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ یہی حال خوشی اور خوش حال زندگی کا ہے۔ جب کوئی خیال تصور
 بن کر ایسے نقطہ پر مرکوز ہو جاتا ہے جس میں شادمانی اور خوش حالی کی تصویریں موجود ہوں
 تو ہمارے اندر خوشی کے قواری اُبلنے لگتے ہیں۔

غم اور خوشی دونوں تصورات سے وابستہ ہیں۔ اور تصورات خیالات سے
 جنم لیتے ہیں۔



ٹائم اسپیس

آپ نے ایسے مریض ضرور دیکھے ہوں گے کہ ان کے دماغ میں یہ بات نقش ہو گئی ہے کہ وہ اگر گھر سے باہر نکلیں گے تو ان کا ایک بیڈنٹ ہو جائے گا۔ خیال کی طاقت اتنی زیادہ برقی ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے ذہن میں چمپکی یا بلی کا خوف بیٹھ جاتا ہے۔ اور یہ خوف ان کے دماغ سے اس طرح چھٹ جاتا ہے کہ وہ ذہنی مریض بن کر رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ اس خوف کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ بس ایک مفروضہ کے تحت خیال خوف بن کر دماغ پر چھا جاتا ہے۔

میرے پاس ایک مریضہ لائی گئی جس کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ اس کے اوپر جادو کیا گیا ہے اور اس جادو کی وجہ سے کھانے کے بعد اس کے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ شوہر اس بات کو بے بنیاد قرار دیتے تھے۔ میری تشخیص بھی یہی تھی کہ محض وہم ہے۔ علاج کے سلسلے میں ہضم سے متعلق کچھ دوائیں دے دی گئیں لیکن مرض میں افاقہ کی بجائے اضافہ ہو گیا اور درد کی شدت اتنی بڑھی کہ مریضہ کو دماغی دورے پڑنے لگے۔ اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ علاج پر کئی ہزار روپے خرچ ہونے کے باوجود 'مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی' کے مصداق مرض درگروں ہو گیا۔ اس کے بعد نفسیاتی اسپتال میں ایک ماہ تک علاج ہوتا رہا۔ پھر حامل حضرات سے رجوع کیا گیا۔ جب کسی بھی صورت سے فائدہ نہ ہوا تو مریضہ کو

میرے پاس دوبارہ لایا گیا۔ میں نے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ ان کے تمام حالات سنے اور ان سے کہا میں دیکھ کر بتاؤں گا کہ آپ کے اوپر کس قسم کا اثر ہے اور ان کو ہدایت کروں گا کہ آپ دو تین روز کے بعد معلوم کر لیں۔ پندرہ روز تک وہ اپنے بارے میں مجھ سے پوچھتی رہیں اور میں ان سے فرصت نہ ملنے کی معذرت کرتا رہا۔ جب ان کا یقین اس نقطہ پر مرکوز ہو گیا کہ میرے سوا ان کا علاج کوئی نہیں کر سکتا تو میں نے ان سے کہا: آپ کے اوپر زبردست اثر ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ آپ صبح اذان سے پہلے اتنے خج کراتے منٹ پر بند آنکھوں سے میرا تصور کر کے بیٹھ جائیں۔ میں اپنی روحانی قوت سے یہ اثر ختم کر دوں گا۔ اب آپ مریضہ کی زبان سے ان کا حال سنئے۔ مریضہ نے مجھے بتایا:

اس خیال سے کہ صبح وقت مقررہ پر میری آنکھ نہ لگ جائے میں ساری رات جاگتی رہی۔ گھڑی دیکھ کر وقت مقررہ پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ کے اندر سے میرے دماغ میں اہر منتقل ہو رہی ہیں۔ جیسے ہی اہر میرے دماغ سے ٹکرائیں میں نے دیکھا کہ میں ایک پرانے قبرستان میں ہوں۔ وہاں دو پرانی قبروں کے درمیان ایک جگہ میں نے مٹی کھودی اور اس میں سے ایک گڑیا برآمد ہوئی۔ اس گڑیا کے سینے پر دل کی جگہ میرا نام نکھا ہوا تھا۔ میں نے وہ گڑیا قبرستان کے کنوئیں میں ڈال دی اور اسی وقت ہیٹ کا رختم ہو گیا۔ وقت مقررہ پر میں نے صوف پر گھل گیا کہ اپنے خیال کی قوت سے مریضہ کو یہ بتایا کہ آپ کے اوپر جو اثر تھا وہ ختم ہو گیا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اوپر کوئی اثر یا جادو نہیں تھا۔

قانون تخلیق کے تحت انسان تین پرت کا مجموعہ ہے۔ ایک پرت صفاتی ہے، دوسرا پرت ذاتی ہے اور تیسرا پرت ذات اور صفات کو الگ الگ کرتا ہے۔ اس پرت کو ہم

جدت کی کہتے ہیں۔

ہر پرت کے محسوسات جداگانہ ہیں۔ ذات کا پرت وہم اور خیال کو بہت قریب سے دیکھتا، سمجھتا اور محسوس کرتا ہے۔ صفات کا پرت وہم اور خیال کو تصور بنا کر جب خیال کو منتقل کر دیتا ہے اور تصورات کو معنی کا لباس پہنا کر خوشی یا غم کا مفہوم دیتا ہے۔ اگر اس کو ایسی معلومات فراہم کی جائیں جو کسی خوب صورت باغ سے متعلق ہوں تو اس کے اندر رنگین ہسریں، رنگین روشینیاں، خوشبو کے طوفان، حسن کے رجحانات رونما ہونے لگتے ہیں اور اگر ایسی معلومات فراہم کی جائیں جو کسی حادثہ سے تعلق رکھتی ہوں تو اس کے اندر رنگین روشنیوں کی بجائے تاریکی، خوشبو کی جگہ بدبو اور حسن کی جگہ بد صورتی، خوشی کی جگہ غم، امید کی بجائے مایوسی اور محبت کی جگہ نفرت جیسے رجحانات رونما ہونے لگتے ہیں۔

قدرت نے جس پرت کو غیر جانب دار (NEUTRAL) بنایا ہے اس میں دو قسم کے نقوش ہوتے ہیں۔ ایک نقبش باطن جس کے اندر لطیف انوار کا ذخیرہ ہوتا ہے اور ظاہر میں (TIME-SPACE) کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ دوسرا نقبش ظاہر، جس کے اندر غرض پسندی، حسد، ذہنی تعیش، احساس کمتری، کم ظرفی اور تنگ نظری جیسے جذبات تشکیل پاتے ہیں۔ اصل بات خیالات کو معنی پہنانے کی ہے۔ خیالات کو جو معنی دیئے جاتے ہیں وہ تصور بن جاتا ہے اور پھر یہی تصور مظاہراتی خدو خال اختیار کر کے ہماری زندگی کی راہ متعین کرتا ہے۔ غم و اندوہ سے اسیر یا آرام و آسائش سے بھرپور۔

تصورات میں اگر پیچیدگی ہے تو یہ الجھن، اضطراب اور پریشانی کا جہاز بن جاتا ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو نقبش باطن میں خراشیں پڑ جاتی ہیں۔ یہی خراشیں اخلاقی امراض کی بنیاد ہیں۔ ان ہی خراشوں سے بے شمار امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً برگی،

و ماعنی فتور کا عارضہ، مایخویا، خفقان، کینسر، بھگندہ، دق اور سیل وغیرہ۔

جب تک ہماری بنیادی خواہشات غیر آسودہ رہتی ہیں ہم غموم رہتے ہیں۔ یہ غیر آسودگی ہمیں غیر مطمئن اور مضطرب رکھتی ہے۔ زندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہم ایسی چیز کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جس میں مسرت کا پہلو نمایاں ہو۔ چونکہ ہم غم زدہ یا پر مسرت زندگی گزارنے کے قانون سے ناواقف ہیں اس لئے زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ ہم مسرت کی تلاش میں اکثر بیشتر غلط سمت قدم بڑھاتے رہتے ہیں اور ناواقفیت کی بنا پر اپنے لئے ایسا راستہ منتخب کر لیتے ہیں جس میں تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہم جب زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ زندگی کے روز و شب اہم ماہ و سال آدمی سے زیادہ آزر دگی اور مایوسی میں گزر جاتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون سا راستہ ہے جس راستے میں مسرت کی روشن قندیلیں اپنی روشنی بکھیر رہی ہیں۔ وہ کون سی فضا ہے جس میں شبنم موتی بن جاتی ہے۔ وہ کون سا ماحول ہے جو معتدل اور پرسکون ہے۔ وہ کون سی خوشبو ہے جس سے شعور روشن ہو جاتا ہے۔ ہم ناخوش اور غیر مطمئن اس لئے ہوتے ہیں کہ ہمارے اندر جو خواہش پیدا ہوتی ہے وہ غیر شعوری ہے اور ہم خواہش کے پس پردہ ضرورت سے ناواقف ہیں۔

ہکسانی نظام

بڑی شکل یہ پیش آگئی ہے کہ ہم رگ پٹھوں کی بناوٹ اور ہڈیوں کے ڈھانچے کو انسان کہتے ہیں حالانکہ یہ انسان وہ انسان نہیں ہے جس کو قدرت انسان کہتا ہے۔ ہم اس رگ پٹھوں سے مرکب انسان کو اصل انسان کا لباس کہہ سکتے ہیں۔

مثال :

جب ہم مرجاتے ہیں تو ہمارے جسم میں کسی قسم کی اپنی کوئی حرکت نہیں رہتی۔ اس جسم کے ایک ایک عضو کو کاٹ ڈالئے، پورے جسم کو گھسیٹئے، مفرد ب کیجئے، اس مردہ جسم کو ایک طرف ڈال دیجئے، کچھ بھی کیجئے جسم کی طرف سے اپنی کوئی مداخلت، کوئی حرکت عمل میں نہیں آئے گی۔ اس میں زندگی کا کوئی شائبہ کسی لمحہ بھی پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے۔

اب ہم اسی مثال کو دوسری طرح بیان کرتے ہیں :

آپ نے قیص پہنی ہوئی ہے۔ اگر آپ یہ چاہیں کہ قیص بذات خود جسم سے الگ رہ کر بھی حرکت کرے تو یہ بات ممکنات میں سے نہیں ہے۔ جب تک قیص جسم کے اوپر ہے جسم کی حرکت کے ساتھ اس کے اندر بھی حرکت موجود ہے۔ اگر آستین ہاتھ کے اوپر ہے تو ہاتھ ہلانے سے آستین کا ہلنا بھی ضروری ہے۔ آپ یہ چاہیں کہ ہاتھ تو حرکت

کرے لیکن آستین میں حرکت پیدا نہ ہو، ایسا ہونا بے قیاس ہے۔ جب تک ہاتھ کے اوپر آستین ہے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ آستین کا ہلنا ضروری ہے۔ بالکل یہی حال جسم کا بھی ہے۔

جسم کو جب ہم لباس کہتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ رگ پٹھوں اور ہڈیوں کے پتھر سے مرکب خاکی جسم، رُوح کا لباس ہے۔ جب تک رُوح موجود ہے جسم بھی متحرک ہے اور اگر رُوح موجود نہیں ہے تو رُوح کے لباس (جسم) کی حیثیت قیص کی طرح ہے۔

انسان دو تقاضوں سے مرکب اور متحرک ہے۔ ایک تقاضہ حیاتی ہے اور دوسرا فطری۔ حیاتی تقاضہ پر ہم با اختیار ہیں اور فطری تقاضہ پر ہمیں کسی حد تک تو اختیار ہے مگر اس ارادہ کو کلیتاً رد کرنے پر اختیار نہیں رکھتے۔ ایک ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے۔ بچہ مرجاتا ہے، ماں رو دھو کر بالآخر صبر کر لیتی ہے۔ عرف عام میں ماں کی محبت کو فطری تقاضہ کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ تقاضہ فطری نہیں، حیاتی ہے۔ ماں کی محبت کو اگر فطری جذبہ قرار دیا جائے تو بچہ کی جدائی کے غم میں اپنے بچے کے ساتھ ہی مرجائے گی یا بچہ کی یاد اس کے حواس کا شیرازہ بکھیر دے گی لیکن ایسا نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس فطری تقاضے بھوک اور پیاس کے سلسلے میں غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کوئی آدمی بھوک رفع کرنے کے لئے خوراک میں کمی بیشی تو کر سکتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کبھی کچھ نہ کھائے یا پیاس کا تقاضا پورا کرنے کے لئے بالکل پانی نہ پیئے۔ یا ساری عمر جاگتا رہے یا پوری زندگی سوتا رہے۔ ان حقائق کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جذبات فطری ہوں یا حیاتی، بہر کیف ان کا تعلق خیالات سے ہے۔ جب تک

کوئی تقاضہ خیال کی صورت میں جلوہ گر نہیں ہوگا ہم اس سے بے خبر رہیں گے۔ ہمارے اوپر جو اس (بصارت، سماعت، گویائی، لمس) کا انکشاف نہیں ہوگا۔

انسان کے اندر یہ خواہش فطری ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ خیالات کیوں آتے ہیں اور کہاں سے آتے ہیں اور خیالات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مل کر کس طرح زندگی بنتے ہیں۔ عام زبان میں تفکر کو آنا کا نام دیا جاتا ہے۔ اور آنا یا تفکر ایسی کیفیات کا مجموعہ ہے جن کو مجموعی طور پر سرد کہتے ہیں۔ اس طرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور ذرے بھی۔ ہمارے شعور میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ تفکر کے ذریعے ستاروں، ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادُل خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کی آنا یعنی تفکر کی ہر سہی بہت کچھ دیتی ہیں۔ اور ہم سے بہت کچھ لیتی بھی ہیں۔ تمام کائنات اسی وضع کے تبادُل خیال کا ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ تفکر کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں اور تبادُل خیال کے لحاظ سے ہم سے زیادہ مانوس ہیں۔ کہکشاں نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ پے در پے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے بے شمار تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں تو ہم تخیل، تصور اور تفکر کا نام دیتے ہیں۔ سمجھایا جاتا ہے کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مخلوق کے سوچنے کی طرز میں ایک نقطہ مشترک رکھتی ہیں۔ وہی نقطہ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نوع اور فرد کے شعور پر منحصر ہے۔ شعور جو اسلوب اپنی آنا کی رفتار کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اسی اسلوب کے سانچے

میں ڈھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ تبادُل ضروری ہے کہ تین نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ قرآن پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے کہکشاںی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں یہ تین نوعیں تخلیق کا رکن بن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی ہر سہ خارج ہو کر کائنات میں منتشر ہوتی ہیں۔ اور جب یہ ہر سہ معین مسافت طے کر کے معین نقطہ پہنچتی ہیں تو کائناتی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ کائنات زمانی اور مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے آنا کی چھوٹی بڑی مخلوط اہروں سے بنتے ہیں۔ ان اہروں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تغیر کہلاتا ہے۔

یہ قانون بہت زیادہ فکر سے ذہن نشیں کرنا چاہیے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے ہیں ان کا تعلق قریب اور دور کی ایسی اطلاعات سے ہوتا ہے جو اس کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہیں۔ یہ اطلاعات اہروں کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہیں۔ سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی اور مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔ البتہ آنا کی ہر سہ لامتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی اور مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان اہروں کے لئے زمانی اور مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔ روشنی کی ہر سہ جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں آنا کی ہر سہ ان ہی فاصلوں کو بجائے خود موجود نہیں جانتیں۔ اس بات کی تصدیق قرآن حکیم میں حضرت سلیمان کے سلسلے میں بیان کردہ واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت سلیمان کا دربار | حضرت سلیمان علیہ السلام کے عظیم الشان اور بے مثال دربار میں انسانوں کے علاوہ جن اور حیوانات بھی درباری خدمات کے لئے حاضر رہتے تھے اور اپنے مراتب اور پیر کردہ خدمات پر بے چون و چرا عمل کرتے تھے۔
 دربار سلیمان پر بے جا وہ چشم کے ساتھ منعقد تھا۔ حضرت سلیمان نے جائزہ لیا تو ہڈ ہڈ کو غیر حاضر پایا۔ ارشاد فرمایا۔

”میں ہڈ ہڈ کو موجود نہیں پاتا۔ کیا وہ واقعی غیر حاضر ہے؟ اگر اس کی غیر حاضری بے وجہ ہے تو میں اس کو سخت سزا دوں گا۔ یا ذبح کر ڈالوں گا۔ یا سپردہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بتائے۔“ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ہڈ ہڈ حاضر ہو گیا۔ اور حضرت سلیمان کی باز پرس پر اس نے کہا۔

”میں ایک ایسی یقینی خبر لایا ہوں جس کی اطلاع آپ کو نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ زمین کے علاقے میں سب کی ملکہ رہتی ہے اور خدا نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے اور اس کا تخت سلطنت اپنی غریبوں کے اعتبار سے عظیم الشان ہے۔ ملکہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہے۔ شیطان نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور وہ خدائے لاشریک کی پرستش نہیں کرتے۔“
 حضرت سلیمان نے کہا۔

”تیرے جھوٹ اور سچ کا امتحان ابھی ہو جائے گا۔ تو اگر سچا ہے تو میرا یہ خط لے جا اور اس کو ان تک پہنچا دے اور انتظار کر کہ وہ اس کے متعلق کیا گفتگو کرتے ہیں۔“
 ہڈ ہڈ جب یہ خط لے کر پہنچا تو ملکہ سب سوراخ دیوتا کی پرستش کے لئے جا رہی تھی۔ ہڈ ہڈ نے راستہ ہی میں یہ خط ملکہ کے سامنے ڈال دیا۔

جب یہ خط گرا تو ملکہ نے اٹھا کر پڑھا اور پھر اپنے درباریوں سے کہا۔
 ”ابھی میرے پاس ایک مکتوب آیا ہے جس میں یہ درج ہے۔ یہ خط سلیمان کی جانب سے اور اللہ کے نام سے شروع ہے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ تم کو ہم سے سرکشی اور سر بلندی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اور تم میرے پاس خدا کے فرماں بڑا بن کر آؤ۔“

ملکہ سب نے خط کی عبارت پڑھ کر کہا۔ ”اے میرے ارکان حکومت! تم جانتے ہو کہ میں اہم معاملات میں تمہارے مشورے کے بغیر کبھی کوئی اقدام نہیں کرتی۔ اس لئے اب تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔“

ارکان حکومت نے عرض کیا۔ ”جہاں تک سرعوب ہونے کا تعلق ہے اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں۔ رہا مشورے کا معاملہ تو آپ جو چاہیں فیصلہ کریں، ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔“

ملکہ نے کہا۔ ”جس عجیب طریقے سے سلیمان کا پیغام ہم تک پہنچا ہے وہ ہمیں اس بات کا سبق دیتا ہے کہ سلیمان کے معاملے میں سوچ سمجھ کے کوئی قدم اٹھایا جائے۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ چند قاصد روانہ کروں اور وہ سلیمان کے لئے عمدہ اور بیش قیمت تحائف لے جائیں۔“
 جب ملکہ سب کے قاصد تحائف لے کر حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے

تو انہوں نے فرمایا۔ ”تم اپنے ہدایا واپس لے جاؤ اور اپنی ملکہ سے کہو اگر اس نے میرے پیغام کی تعمیل نہیں کی تو میں ایسے عظیم الشان لشکر کے ساتھ سب داؤلوں تک پہنچوں گا کہ اس کی مدافعت اور مقابلہ سے عاجز رہو گے۔ اور پھر میں تم کو ذلیل اور رسوا کر کے شہر بدر کر دوں گا۔“

قاصد نے واپس آکر ملکہ سبا کے سامنے تمام صورت حال بیان کی اور حضرت سلیمان کی عظمت و شوکت کا جو حال دیکھا تھا حرف بہ حرف کہہ سنایا اور بتایا کہ ان کی حکومت صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جن اور حیوانات بھی ان کے تابع فرمان اور مستخر ہیں۔

ملکہ نے جب یہ سنا تو طے کر لیا کہ بہت سہیہ ہے کہ ان کی آواز پر لبتیک کہا جائے۔ لہذا اس نے سفر شروع کر دیا اور حضرت سلیمان کی خدمت میں روانہ ہو گئی۔

حضرت سلیمان کو معلوم ہو گیا کہ ملکہ سبا حاضر خدمت ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت شاہی اس دربار میں موجود ہو۔"

ایک دیو سپیکر جن نے کہا: آپ کا دربار فراست کرنے سے پہلے ہی میں تخت لاسکتا ہوں۔"

جن کا یہ دعویٰ سن کر ایک انسان نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا، یہ کہا: اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے میں یہ تخت آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔"

حضرت سلیمان نے رُخ پھیر کر دیکھا تو دربار میں ملکہ سبا کا تخت موجود تھا۔ ٹائم سپیس کی حد بندیوں میں جکڑے ہوئے شعور کے لئے یہ امر قابل غور ہے کہ سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے ملکہ سبا کا تخت شاہی خیال کی رفتار سے، پلک جھپکے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچ گیا۔ یعنی بندہ کے خیال کی ہر تخت کے اندر کام کرنے والی ہروں میں جذب ہو کر تخت کو منتقل کرنے کا ذریعہ بن گئیں۔

انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی ہر صیغہ کے معنی محین کر لئے جاتے ہیں سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی تبادلاً

خیال کی نقل ہے جو آنا کی ہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف سی جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقہ کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی آنا کی ہر خیالات کی منتقلی کا کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آنے والے سامنے کے درختوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنکروں، پتھروں، مٹی کے ڈروں میں من و عنان کی طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کہنے ہی

واقعات اس کے شاہد ہیں۔ ساری کائنات میں ایک ہی شعور کا فرما ہے۔ اس کے ذریعے غیب و شہود کی ہر ہر دھڑکی کے معنی سمجھتی ہے، چاہے یہ دونوں ہر کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب و شہود کی فراست و عنایت کائنات کی رگ جاں ہے جو خود ہماری اپنی رگ جاں بھی ہے۔ تفکر اور توجہ کر کے ہم اپنے مینا سے اور دوسرے

ستاروں کے آثار و احوال کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور انسانوں، حیوانوں، جنات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات، نباتات اور جمادات کی اندرونی تحریکات بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ مسلسل مشق اور ارتکاز توجہ سے ذہن کائناتی لاشعور میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے سراپا کا معین ہر آنہ کی گرفت سے آزاد ہو کر ضرورت کے مطابق ہر چیز دیکھتا، سمجھتا اور شعور میں محفوظ کر دیتا ہے۔

یہی روحانیت ہے اور یہی شلی پیتی (TELEPATHY) ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ روحانیت اپنے اندر ایک وسعت رکھتی ہے اور شلی پیتی صرف خیالات کے

تبادلے کا نام ہے۔

حضرت غوث علی شاہؒ کی کتاب ”تذکرہ غوثیہ“ میں مولانا گل حسن صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز راقم نے عرض کیا ”حضرت کبھی آپ کو عشق بھی ہوا ہے؟“

حضرت نے فرمایا:

جب ہم گھر سے چل کر بنارس پہنچے تو وہاں ہمارے بھائی فیض الحسن تھانیدار تھے۔ ان سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ بھائی نے بہت اصرار کیا کہ گھر پر ٹھہر دو۔ مگر ہم کو بولے مسجد کے آرام کہاں تھا۔ گنگا کے کنارے ایک مسجد تھی۔ اس میں ٹھہر گئے۔ مسجد کے ایک طرف گھاٹ تھا اور دوسری طرف شارب عام تھی۔ بھائی صاحب بھی روزمرہ وہاں تشریف لاتے تھے۔ کھانا بھی وہی بھیجتے تھے۔ ایک روز عصر کی نماز کے بعد مسجد کی دیوار پر بیٹھے ہوئے ہم سیر کر رہے تھے کہ یکایک ایک نازنین، حسین، غارت گراہمان و دیں، چودہ پندرہ کا سن و سال، قیامت کی چال ڈھال، قوم سے کشمیری برہمن اپنی ہجو یوں کے جلو میں آفتاب عتاب کی طرح نظر کو خیرہ کرتی ہوئی ہمارے سامنے آگئی۔ نظر چارہ ہوتے ہی ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ مگر ابھی اتنی عقل باقی تھی کہ ہم نے مسجد کے ملا سے کہہ دیا کہ ہمارے بھائی آئیں یا کھانا بھیجیں تو تم ان سے یہ کہہ دینا کہ ہم چلے میں بیٹھے ہیں اور سب سامان مجھ کو دے دیا ہے جس وقت ضرورت ہوگی میں کھانا تیار کر کے دے دوں گا۔ ملا کو یہ بات سمجھا کر ہم نے حجرہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اور اس پری رو کا تصور قائم کر کے عالم خیال میں گم ہو گئے۔ اس عرصہ میں کھانا پینا، نماز روزہ سب بالائے طاق رکھ دیا۔ آٹھویں دن وہ تصویر مجسم ہو کر سامنے آکھڑی ہوئی۔ اسی دن وہ نازنین دل ربا اپنے شوہر کے ساتھ، تھالی میں شیرینی رکھے مسجد

کے اندر آ موجود ہوئی۔ اس نے حجرہ کی زنجیر کھڑکائی۔ کان میں آواز پڑی تو دل نے کہا مطلوب آپہنچا۔ ہم نے کتڑی کھول دی۔ وہ دونوں حجرے کے اندر آ گئے۔ دیکھا تو اس کا شوہر بھی حسن و جمال میں یکتا و بے مثال تھا۔

ہم نے پوچھا: تم دونوں کس لئے آئے ہو؟
بولے: ”ہم کو اولاد کی تمنا ہے۔“

ہم سمجھ گئے کہ یہ سب قسا و حضرت عشق کا ہے ورنہ ابھی تو ان کے دن کیلئے کوئی اور سیر تماشے کے ہیں۔ کیسی اولاد اور کیسی تمنا! اس حسین قتالہ نے ہماری طرف ٹھٹھکی باز نہ لی۔ اس کے شوہر سے ہم نے کہا: ذرا تم باہر جا کر زنجیر لگا دو۔ ہم کو تمہاری بیوی سے ایک پردے کی بات پوچھنی ہے۔“

وہ غریب دروازہ بند کر کے باہر ہو گیا۔ اس زمانے میں ہماری عمر پندرہالیس سال کا تھی۔ ہم نے اپنے دل سے کہا: بولو حضرت! کیا ارادہ ہے۔ اگر اس کو جو رو بنانا چاہتے ہو تو میاں بیوی دونوں راضی ہیں اور اگر بہن بنانا چاہتے ہو تو پھر اپنی ماں اور بہن کو کیوں چھوڑا؟ جس کے لئے آٹھ دن سے بے تابی اور بے قراری تھی، وہ موجود ہے۔ کہہ کر کھتا ہے؟“

دل نے جواب دیا: یہ بھی ایک کیل کیلنا تھا سو کیل چکے۔ پس اب کوئی خواہش باقی نہیں رہی۔“

اس کے بعد ہم نے اس سے ایک دو باتیں پوچھ کر اس کے خاندان کو بلا لیا اور ایک تعویذ لکھ کر ان کے حوالے کیا اور کہا ”جاؤ، خدا حافظ!“

ان کے جانے کے بعد خیال آبا کہ یہ عشق ضرور کچھ رنگ لائے گا اور طرف ثانی

کو بھی ستائے گا۔ یہاں سے چل دینا ہی بہتر ہے۔ یہ سوچ کر ہم آدھی رات گزرنے پر وہاں سے چل دیے اور میں کو سس دور جا کر دم لیا۔

دوسرے دن وہ نیک بخت بھی شوہر کے ہمراہ یکے میں بیٹھی عصر کے وقت اسی مقام پر آ پہنچی۔ بال پریشاں، طبیعت اداس، چہرہ پژمرده، دل افسردہ اور یاس زدہ۔ میرے قریب آ کر زار و قطار روتے ہوئے التجا کی کہ آپ بنارس تشریف لے چلیں۔ جب دونوں نے بہت اصرار کیا تو میں مجبوراً کہنا پڑا کہ ہم یہاں ضروری کام سے آئے ہیں، وہ ہو جائے گا تو ہم دو چار دن میں خود ہی بنارس چلے آئیں گے۔ غرض تسلی و تسخنی دے کر ان کو بنارس کی طرف روانہ کیا اور ہم نے لکھنؤ کی راہ لی۔ نہیں معلوم بعد میں اس پر کیا گزری۔

حضرت غوث علی شاہؒ کے اس واقعہ میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ خیالات مسلسل ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائیں یا کر دیئے جائیں تو معمول خواہ ان خیالات سے متفق نہ ہو لیکن وہ عامل کے خیال کی قوت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

امان اللہ بیچائی لاٹریوری

لیٹ لمبر DS/3-4 ہلاک
D ہاؤسنگ کمپلکس ۱۹۱
نام اتھارٹی کراچی 7806

خیالات کے تبادلہ کا قانون

انسان تین دائروں سے مرکب ہے۔

پہلا دائرہ فرد کا شعور ہے۔

دوسرا دائرہ فرد کا لا شعور اور نوع انسان کا شعور ہے۔

تیسرا دائرہ نوع انسان کا لا شعور اور کائنات کا شعور ہے۔

ایک انسان جس کو ہم فطرۃً مکمل دیتے ہیں وہ ان تین دائروں سے مرکب ہے یعنی فرد کا اپنا شعور اور لا شعور، نوع انسان کا شعور، لا شعور اور کائنات کا شعور۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہوتی کہ ایک فرد کے اندر نوع انسان اور کائنات میں موجود ہر مخلوق کی اطلاعات موجود ہیں۔ اور ان اطلاعات کا آپس میں تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ اگر فرد کے ذہن میں جنات اور فرشتوں سے متعلق اطلاعات کا رد و بدل نہ ہو تو

اور جنات کا تذکرہ زیر بحث نہیں آئے گا۔ یہ الفاظ دیگر کائنات اور کائنات میں موجود جتنی بھی مخلوق ہے اس مخلوق کے خیالات کی لہریں ہمیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ خیالات

کی منتقلی ہی دوسرے کسی مخلوق کی پہچان کا ذریعہ بنتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہم بھوک اور

پیاس سے اس لئے باخبر ہیں کہ بھوک اور پیاس کی اطلاعات ہمارے ذہن پر خیال

بن کر دار ہوتی ہے۔ ہم کسی آدمی سے اس لئے متاثر ہوتے ہیں کہ اس آدمی کی شخصیت

وں کے ذریعے ہمارے اندر کام کے ہروں میں جذب ہو جاتی ہے۔ جس حد تک ہم کسی خیال کو قبول یا رد کرتے ہیں اس ہی مناسبت سے ہم کسی فرد سے قریب یا دور ہو جاتے ہیں۔ خیالات کے رد و بدل کا یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو ہم ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکیں گے۔ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ ان ہی خیالات کو ہم اپنی زبان میں تو ہم، مخیل، تصور اور تفکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرزیں ایک نقطہ مشترک رکھتی ہیں۔ اور یہی نقطہ مشترک ہمیں دوسری مخلوق کی موجودگی کا علم دیتا ہے۔ انسان کا اکثر شعور کائنات کے دور دراز گوشوں سے سلسل ایک ربط رکھتا ہے کیوں کہ یہ ربط ہر وقت قائم ہے اس لئے ہم اپنے خیالات کو ایک نقطہ پر مرکوز کر کے اس ربط کے ذریعے اپنا پیغام کائنات کے دور دراز گوشوں تک پہنچا سکتے ہیں۔

انسان کو حیوان ناطق کہا جاتا ہے۔ ایسا انسان جو الفاظ کی ہروں کے ذریعے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے حیوان جن کو حیوان غیر ناطق کہا جاتا ہے اپنے خیالات الفاظ کا سہارا لئے بغیر دوسروں تک منتقل کرتے ہیں اور دوسرے حیوان ان خیالات کو قبول کرتے اور سمجھتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ الفاظ کا سہارا لئے بغیر بھی خیالات اپنے پورے معنی اور مفہوم کے ساتھ رد و بدل ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ دو بیل، دو بکریاں یا دو کبوتر آپس میں باتیں نہیں کرتے یا ایک دوسرے کے جذبات کا انہیں احساس نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک انسان الفاظ کے ذریعے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتا ہے یا لکھتا، اسی طرح الفاظ کا سہارا لئے بغیر دوسرے حیوان اپنے جذبات و احساسات

کا اظہار کرتے ہیں۔ اور سرلیق ثانی ان جذبات و احساسات کو پورے معنی کے ساتھ صرف یہ کہ سمجھتا ہے بلکہ قبول کرتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حیوٹی اور حضرت سلیمانؑ کی گفتگو کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ بہت غور طلب ہے۔ حیوٹی نے حضرت سلیمانؑ سے باتیں کیں اور حضرت سلیمانؑ نے اس کی گفتگو کو سمجھا۔ ظاہر ہے کہ حیوٹی نے الفاظ میں گفتگو نہیں کی بلکہ اس کے خیالات کی لہریں حضرت سلیمانؑ کے ذہن نے قبول کیں اور ان کو سمجھا۔ اس واقعہ میں یہ حکمت ہے کہ خیالات، احساسات، جذبات الفاظ کے بغیر بھی سنے اور سمجھے جاسکتے ہیں۔

ثیلی سیتی الفاظ کے تانوں بانوں سے میرا ہو کر خیالات منتقل کرنے کا ایک علم ہے۔ ہم اگر حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ کی طرح کسی ایک فرد کو اپنے خیالات کا ہدف بنالیں تو وہ ایک فرد ہمارے خیالات کی لہروں سے متاثر ہو کر وہی کچھ کرنے پر مجبور ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ اور اگر ہم کائنات کے نقطہ مشترک سے باخبری حاصل کر لیں اور اپنے خیالات اس نقطہ مشترک میں منتقل کر دیں تو کائنات ہمارا خیال قبول کرنے پر مجبور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔"

بات صرف اتنی ہے کہ ہم اس قانون سے واقف ہو جائیں کہ کائنات کی تمام مخلوق کے افراد خیالات کی لہروں کے ذریعے ایک دوسرے سے سلسل اور سپہم ربط رکھتے ہیں۔ اور ہر فرد کے خیالات لہروں کے ذریعے آپس میں تبادلہ ہوتے رہتے ہیں۔ ہم کیوں کہ تبادلہ خیال کے اس قانون سے واقفیت نہیں رکھتے اس لئے خیال ہماری گرفت سے باہر رہتا ہے۔ اور ہم زندگی کا زیادہ حصہ خیالات کی شکست و ریخت

میں گزار دیتے ہیں۔ یہ بات عام طور سے کہی جاتی ہے کہ فلاں آدمی کی قوت ارادی (WILL POWER) بہت زیادہ ہے۔ ایسا آدمی عام آدمیوں کی نسبت معاملات زندگی زیادہ بہتر طریقے سے انجام دیتا ہے۔ قوت ارادی سے مراد یہ ہے کہ اس آدمی کے اندر خیالات کی شکست و ریخت بہت کم ہوتی ہے۔ اور ذہن ایک نقطہ پر مرکوز رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے وہ کسی شخص کو زیادہ آسانی سے متاثر کر سکتا ہے۔ جن لوگوں میں قوت ارادی کمزور ہوتی ہے وہ اپنی زندگی کا کوئی خاص نصب العین متعین کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ قوت ارادی کو بروئے کار لانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات سے وقوف حاصل کر لیں کہ ہماری پوری زندگی خیال کے گرد گھومتی ہے۔ کائنات اور ہمارے درمیان جو مخفی رشتہ ہے وہ بھی خیال کے اوپر قائم ہے۔

روحانیت میں خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن اور ہر لمحہ ہمیں زندگی سے قریب کرتی ہے۔ پیدائش سے بڑھاپے تک زندگی کے سارے اعمال محض اطلاع کے دوڑ پر رواں دواں ہیں۔ کبھی ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ ہم ایک بچہ ہیں، پھر ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ یہ دور جوانی کا ہے اور پھر یہی اطلاع بڑھاپے کا روپ دھار لیتی ہے۔ سرد، خشک، تلخ و شیریں حالات سے گزر کر ہم موت سے قریب ہو جاتے ہیں اور ہم یہ جان لیتے ہیں کہ اب اس دنیا سے ہمارا رشتہ منقطع ہو گیا ہے۔

خیال اور زندگی ایسے بات و مانع ہو گئی ہے کہ ہماری پوری زندگی خیال کے گرد گھومتی ہے اور یہ کہ کائنات اور ہمارے درمیان جو مخفی رشتہ ہے وہ بھی خیال پر قائم ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دماغ میں خیالات کی اس شکست و ریخت کو کم سے کم کیا جائے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ دماغ میں شک اور دوسو سوں کو کم سے کم

جگہ دی جائے۔ یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ قوت ارادی میں کمزوری کی سب سے بڑی وجہ دماغ میں شک کی موجودگی ہے۔ ذہن کو شک سے نجات دلانے کے لئے یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ آخر شک ذہن انسانی میں کیوں کر جنم لیتا ہے۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ دوسو سوں اور شک کی بنا و سہم اور تقنین پر ہے۔ اور اسی کو مذہب میں شک اور ایمان کہا گیا ہے۔ آدمی زندگی کے تمام مراحل وقت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں طے کرتا ہے یعنی ایک سیکنڈ کا کوئی ٹکڑی (FRACTION) خواہ اس کی زندگی تو برس کیوں نہ ہو لیکن وہ ان ہی ٹکڑوں میں تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے ذہن میں وقت کے یہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جوڑتا ہے اور ان ہی ٹکڑوں سے کام لیتا ہے۔ ہم یا تو وقت کے اس ٹکڑے سے آگے دوسرے مسلسل ٹکڑے پر آ جاتے ہیں یا وقت کے اس ٹکڑے سے پلٹتے ہیں۔ اس کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ آدمی ابھی سوچتا ہے کہ میں کھانا کھاؤں گا لیکن اس کے پیٹ میں گرانی ہے۔ اس لئے وہ یہ ارادہ ترک کر دیتا ہے۔ وہ کب تک اس ترک پر قائم رہے گا اس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں۔ علیٰ خدایا سس اس کی زندگی کے اجزائے ترکیبی یہی افکار ہیں جو اسے ناکام یا کامیاب بناتے ہیں۔ ابھی وہ ایک ارادہ کرتا ہے پھر اُسے ترک کر دیتا ہے۔ چاہے منٹوں میں ترک کرتا ہے، چاہے گھنٹوں میں، چاہے مہینوں میں، چاہے سالوں میں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ "ترک" آدمی کی زندگی کا جزو اعظم ہے۔ بہت سی باتیں ہیں جن کو وہ دشواری، مشکل، پریشانی، بیماری، بے زاری، بے عملی، بے چینی وغیرہ کہتا ہے۔ اب دوسری طرف وہ ایک چیز کا نام رکھتا ہے سکون۔ یہی وہ سکون ہے جس میں وہ ہر قسم کی آسائیاں تلاش کرتا ہے۔ ہم یہ نہیں

کہنے کہ یہ سب حقیقی ہیں بلکہ ان میں زیادہ تر مفروضات ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو انسان کو آسان معلوم ہوتی ہیں۔ اور یہی رحمان ہے جو آسانیوں کی طرف مائل کرتا ہے۔ دراصل انسان کے دماغ کی ساخت ہی ایسی ہے کہ وہ آسانیوں کی طرف دوڑتا ہے اور ہر شکل سے بھاگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دو سمتیں ہیں اور ان سمتوں میں آدمی افکار کے ذریعے سفر کرتا ہے۔ اس کی ہر حرکت کا منبع ان دو سمتوں میں سے ایک سمت ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ابھی ہم نے ایک تدبیر کی۔ اس وقت جب ہم اس تدبیر کی تنظیم کر رہے تھے وہ ہر طرح مکمل تھی اور اس کی سمت بھی صحیح تھی لیکن صرف چند قدم چلنے کے بعد ہمارے ذہن میں تبدیلی ہوئی۔ تبدیلی ہوتے ہی افکار کا رخ بدل گیا۔ نتیجہ میں سمت بھی تبدیل ہو گئی۔ اب ہم جس منزل کی طرف رواں دواں تھے وہ منزل غیب میں چلی گئی۔ اور ہمارے پاس باقی کیا رہا؟ — ٹوٹنا اور ٹوٹ کر دم اٹھانا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک کروڑ آدمیوں میں صرف ایک آدمی ایک قدم اٹھاتا ہے جو صحیح سمت میں اٹھتا ہے، اور بچے نہیں ہٹتا۔ واضح رہے کہ یہ تذکرہ یقین اور شک کی حد میں سانی راہوں کا ہے۔ اب یہی فکر کی بات، تو اس کے دماغ کا محور وہم اور شک پر ہے۔ یہی وہ وہم اور شک ہے جو اس کے دماغ کے خلیوں میں ہمہ وقت عمل کرتا رہتا ہے۔ جس قدر اس شک کی زیادتی ہوگی اسی قدر دماغی خلیوں (cells) میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوگی۔ یہاں یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ یہی وہ دماغی خلیے ہیں جن کے زیر اثر تمام اعصاب کام کرتے ہیں۔ اور اعصاب کی تحریکات ہی زندگی ہیں۔ کسی چیز پر انسان کا یقین کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ فریب کو جھٹلانا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انسان جو کچھ ہے خود کو اس کے خلات پیش کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی کمزوریوں کو چھپاتا ہے اور ان کی جگہ مفروضہ خوبیاں بیان

کرتا ہے جو اس کے اندر موجود نہیں ہیں۔

آدمی جس معاشرے میں تربیت پا کر جوان ہوتا ہے وہ معاشرہ اس کا عقیدہ بن جاتا ہے۔ اس کا ذہن اس قابل نہیں رہتا کہ اس عقیدے کا تجزیہ کر سکے۔ چنانچہ وہ عقیدہ یقین کا مقام حاصل کر لیتا ہے حالانکہ وہ محض فریب ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہم بتا چکے ہیں کہ آدمی جو کچھ خود کو نظر آتا ہے حقیقتاً وہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

اس قسم کی زندگی گزارنے میں اُسے بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں، ایسی مشکلات جن کا حل اس کے پاس نہیں ہے۔ اب قدم قدم پر اُسے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا عمل تلف ہو جائے گا۔ اور بے نتیجہ ثابت ہوگا۔ بعض اوقات یہ شک وہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی زندگی تلف ہو رہی ہے۔ اور اگر تلف نہیں ہو رہی ہے تو سخت خطرے میں ہے۔ اور یہ سب کچھ ان دماغی خلیوں کی وجہ سے ہے جن میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ واقع ہو رہا ہے۔

جب آدمی کی زندگی وہ نہیں ہے جسے وہ گزار رہا ہے، جسے وہ پیش کرتا ہے، جس پر اس کا عمل ہے اور وہ اس عمل سے وہ منتاگ برآمد کرنا چاہتا ہے جو اس کے حسب خواہ ہوں لیکن دماغی خلیوں کی تیزی سے ٹوٹ پھوٹ اور رد و بدل قدم قدم پر اس کے عملی راستوں کو بدلتی رہتی ہے۔ اور وہ یا تو بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں یا ان سے نقصان پہنچتا ہے۔ یا ایسا شک پیدا ہوتا ہے جو قدم اٹھانے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ آدمی کے دماغ کی ساخت دراصل اس کے اختیار میں ہے۔ ساخت سے مراد دماغی خلیوں میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ، اعتدال میں ٹوٹ پھوٹ یا کم ٹوٹ

پھوٹ جونا ہے۔ یہ محض اتفاقیہ امر ہے کہ دماغی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو۔ جس کی وجہ سے وہ شک سے محفوظ رہتا ہے لیکن جس قدر شک اور بے یقینی دماغ میں کم ہوں گی اسی مناسبت سے آدمی کی زندگی کا سیلاب گزرے گی۔ اور جس مناسبت سے بے یقینی اور شک زیادہ ہوگا، زندگی نا کامیوں میں بسر ہوگی۔

آدمی کی بد قسمتی یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے علوم کو خود ساختہ اور غلط بنیادوں پر پرکھا اور ان سے انکاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر علم کی بنیاد روشنی کو قرار دیا ہے۔ یہ بات قرآن پاک کی آیتوں میں تصریح کرنے سے سمجھ میں آتی ہے (ہم پچھلے صفحات میں یہ بتا چکے ہیں کہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں)۔ آدمی کو چاہئے یہ تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روشنیوں کی قسوں اور روشنیوں کا طرز عمل معلوم کرتا لیکن اس نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی اور یہ چیز ہمیشہ پردے میں رہی۔ آدمی نے اس پردے میں جھانکنے کی کوشش اس لئے نہیں کی کہ یا تو اس کے سامنے روشنیوں کا کوئی پردہ موجود ہی نہیں تھا یا اس نے روشنیوں کے پردے کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی۔ وہ یہ قاعدے معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوا جو روشنیوں کے غلط ملط سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر آدمی یہ طرز عمل اختیار کرتا تو اس کے دماغی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو سکتی تھی۔ اس حالت میں وہ زیادہ سے زیادہ یقین کی طرف قدم اٹھاتا اور شک کو اسے اتنا زیادہ پریشان نہ کرتے جتنا کہ اب اسے پریشان کئے ہوئے ہیں۔ اس کی تحسیر بات میں جو عملی رکاوٹیں واقع ہوتی ہیں وہ کم سے کم ہوتیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس نے روشنیوں کی قسوں معلوم نہیں کیں نہ روشنیوں کی طبیعت کا حال معلوم کرنے کی کوشش کی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ روشنیوں بھی طبیعت اور ماہیت رکھتی ہیں اور روشنیوں میں رجحانات بھی موجود ہیں۔ اسے یہ بھی نہیں

معلوم کہ روشنیوں ہی اس کی زندگی ہیں اور اس کی حفاظت کرنی ہیں۔ وہ صرف مٹی کے پتے سے واقف ہے۔ اس پتے سے جس کے اندر اس کی اپنی کوئی زندگی موجود نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ مٹی ہوئی مٹی سے بنایا گیا ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ وہ کھنی مٹی (خلائ) ہے۔ اس کے اندر اپنی ذاتی کوئی حقیقت موجود نہیں ہے۔ حقیقت تو اللہ تعالیٰ نے پھونکی ہے۔

روشنیوں کے عمل سے ناواقفیت اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے مندرجہ کرتی ہے۔ جہاں تک انحراف واقع ہوتا ہے وہاں تک شک اور دھم بڑھتا ہے۔ ایمان اور یقین ٹوٹ جاتے ہیں۔

یاد رکھئے روحانیت اور دیگر تمام مخفی علوم میں بشمول شبلی یحییٰ یقین کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ہر ارادے اور ہر عمل کے ساتھ یقین کی روشنیوں بھی کام کرتی ہیں۔ اگر یقین کی ان روشنیوں کو الگ کر دیا جائے تو ہر عمل اور ہر حرکت لایق ہو کر رہ جائے گی۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جب تک ارادے میں یقین کی روشنیوں شامل نہ ہوں اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ ماہرین روحانیت یقین کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

”یقین وہ عقیدہ ہے جس میں شک نہ ہو“

ارادہ یا یقین کی کمزوری دراصل شک کی وجہ سے جنم لیتی ہے۔ جب تک خیالات میں تذبذب رہے گا یقین میں کبھی بھی پختگی نہیں آئے گی۔ مظاہر اپنے وجود کے لئے یقین کے پابند ہیں۔ کیونکہ کوئی خیال یقین کی روشنیوں حاصل کر کے ہی منظر بنتا ہے۔

ماہرین نفسیات نے جو مشقیں قوت ارادی کو تقویت پہنچانے کے لئے مرتب کی ہیں ان سب کا منشاء دراصل یقین کو پختہ کرنا ہوتا ہے۔

ارتکاز توجہ | شک اور یقین کا درمیان فاصلہ تنویر سال پر مشتمل ہے اور ہر فاصلہ زیادہ سے زیادہ ایک ثانیہ کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس معرکہ کو خود حل کر دیتا ہے۔ "لاریب ہے یہ کتاب اور اس کو ہدایت دیتا ہے جس کا یقین غیب پر ہے۔" یہاں اللہ تعالیٰ نے دو باتیں کہی ہیں۔ "لاریب" کہہ کر ریب یعنی شک کی نفی کر دی، اب صرف غیب باقی رہ گیا جس کو یقین کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ دماغ میں شک کو جگہ دینے کی اجازت نہیں دیتے۔ صرف یقین کو اس بات کی اجازت ہے کہ آدمی کے ذہن میں داخل ہو جائے۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے جو ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت کا منشا بہت اہم ہے۔ وہ یہ کہ کوئی چیز کسی آدمی نے خواہ نہ دیکھی ہو، نہ سمجھی ہو، نہ جانی ہو، نہ پہچانی ہو مگر اس پر یقین حاصل ہو۔ یہاں ہدایت کی ایک کائنات بن جاتی ہے۔ اور یہ سلسلہ آنکھوں کے سامنے سے آدمی کے چاروں طرف سے اُسے محیط کر لیتا ہے۔

مسلسل ارتکاز توجہ اور مشق سے کسی ایک نقطہ پر خیالات کی روشنیوں اس حد تک مرکوز رہیں کہ شک اور بے یقینی یقین کی روشنیوں کا درجہ حاصل کر لیں تو خیال اور ارادہ کے تحت اس کا منظر بننا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضرت غوث علی شاہؒ کے واقعہ میں ارتکاز توجہ سے یقین کا عمل منظر ابھر آپ پڑھ چکے ہیں۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے۔

ایک نامی گری تاجسری بیٹی جب پندرہ سولہ کے سن کو پہنچی تو اس کے ساتھ جمہرات کی رات کو عجیب واقعہ ہوا۔ وہ سو کر اٹھی تو اس کے ہاتھ ہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ جیسے ہی سورج نصف النہار کو پہنچا اس پر اچانک بے ہوشی کا دورہ پڑا

اور اس کے بعد سے ہر جمہرات کو وہ وقت مقررہ پر بے ہوش ہونے لگی۔ ڈاکٹروں نے ہسٹریا کا علاج کیا لیکن جب کوئی فائدہ نہیں ہوا تو عامل حفرات کے پاس لے جایا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ لڑکی کے اوپر جن یا اسید کا اثر ہے۔ تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک اور فلیٹے جلانے سے بھی مقصد حاصل نہیں ہوا تو حاذق حکیموں سے رجوع کیا گیا اور مسلسل چار سال تک علاج ہوتا رہا۔ پھر یہ ہونے لگا کہ جس روز لڑکی پر ہوشی کا دورہ پڑتا اس روز وہ بہت خوش اور مسودہ نظر آتی۔ نیند سے بیدار ہو کر غسل کرتی، ریشمی جوڑا زیب تن کرتی، خوب بناؤ سنگھار کرتی، آنکھوں میں کاجل لگاتی اور چہرے پر فازہ ملتی۔ اس کے لباس سے بھینی بھینی خوشبو پھوٹتی رہتی اور حسن ایسا نکھر آتا جو کسی نئی نوٹیلی دہن کے چہرے پر جیا اور آسودگی کی نشان دہی کرتا ہے۔ جب کوئی اس اہتمام کا سبب پوچھتا تو جیسا کہ ایک مرنی اس کے چہرے پر بکھر جاتی اور وہ زیر لب صرف اتنا بتاتی "وہ آرہے ہیں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔" سنگھار کے بعد وہ اپنے کمرے میں جاتی اور کمرے میں ہر چیز فرینے سے سجاکر بستر پر بیٹھ جاتی جیسے کسی کے انتظار میں ہو۔ ٹھیک سورج کے زوال کے وقت اس پر بے خودی کا دورہ پڑتا جو رات گئے تک جاری رہتا۔

ڈاکٹروں اور حکیموں کا ایک بورڈ بیٹھا اور سب نے متفقہ فیصلہ دیا کہ لڑکی کی شادی کر دی جائے تو ہسٹریا کے دورے ختم ہو جائیں گے۔ لڑکی کو جب معلوم ہوا تو اس نے شدید مخالفت کی۔ لیکن ماں نے اس کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی اور خاندان کے ایک صحت مند نوجوان سے شادی کر دی گئی۔ شادی کے دوسرے ہی روز لڑکی نے اپنے شوہر کو سخت دُست کہہ کر اپنے کمرے سے باہر نکال دیا۔ اور ساتھ ہی

یہ بھی کہا کہ اگر آئندہ اس کے پاس آنے کی جرأت کی تو وہ اس کا "راز" فاش کر دیگی۔ اور وہ خاندان میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ بڑے بوڑھوں نے صلح مسافان کی کوشش کی اور جب مسئلے کا کوئی حل سامنے نہیں آیا تو عزت بچانے کی خاطر عدالت سے رجوع کرنا چاہا لیکن لڑکے نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ اور بیوی کو طلاق دے دی۔ دونوں خاندانوں میں لڑائی جھگڑے کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جب خاندان کے بڑے بوڑھے اکٹھے ہوئے اور لڑکے کو بلایا گیا تو اس نے کہا: "سچ بات یہ ہے کہ اس کے سامنے جاتے ہی میری ساری طاقت سلب ہو جاتی ہے۔" لڑکے کے بیان کو سب نے غلط جانا اور اس پر لعن طعن کرنے لگے۔ اور بالآخر اس نے دوسرے دن خودکشی کر لی۔ تاجر نے بہت کوشش کی کہ بیٹی کی دوسری شادی ہو جائے مگر جب کسی طرح بھی کامیابی نہیں ہوئی تو دوبارہ علاج کی طرف متوجہ ہوا۔ کسی دوست نے ایک حکیم صاحب کا تذکرہ کیا جو کئی سو سال کے قاصد پر کسی گاؤں میں مطلب کرتے تھے۔ خدا نے ان کے ہاتھ میں اتنی شفا دی تھی کہ دور دراز سے لوگ آتے تھے اور شفا یاب ہو کر جاتے تھے۔ وہ کسی سے کوئی معاوضہ بھی نہیں لیتے تھے۔

پروگرام یہ بنا کہ جمعہ کے دن مریض کو ساتھ لے کر روانہ ہوں اور چار روز کے اندر مذکورہ گاؤں پہنچ جائیں تاکہ جمعرات کو بے ہوشی کا دورہ حکیم صاحب خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اس طرح مریض کی تشخیص میں آسانی ہوگی۔

گاؤں پہنچے تو حکیم صاحب کے مطلب کے سامنے مریضوں کا ہجوم تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا آج اور کل حکیم صاحب کمرے میں بند ہو کر عبادت کرتے ہیں اور وہ پرسوں جمعہ کے روز ملاقات کریں گے۔ دوسرے دن لڑکی کے اوپر معمول کے مطابق دورہ

پڑا اور رات گئے حالت سنبھلی۔

تاجر کو لوگوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکیم صاحب نے ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود شادی نہیں کی ہے۔ جب کوئی ان سے شادی کا تذکرہ کرتا ہے تو وہ غموں میں جاتے ہیں۔ جب زیادہ اصرار ہوتا ہے تو کہتے ہیں میری شادی ہو چکی ہے۔ اور کمرہ میں لٹکے ہوئے ایک نوٹ کی جانب اشارہ کر کے کہتے ہیں یہ تصویر جو آپ دیکھ رہے ہیں میری بیوی کی تصویر ہے۔ لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ بدھ اور جمہرات کو حکیم صاحب اپنے دوسرے کمرے میں اندر سے دروازہ بند کر کے عبادت کرتے ہیں۔ اور ان دونوں میں وہ کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ یہ بات اب ان کا معمول بن گئی ہے۔

فقت کوتاہ، تیسرے دن جمعہ کو تاجر صبح سویرے ہی قطار میں جا بیٹھا تاکہ جلدی جلدی باری آجائے۔ گھڑی نے آٹھ بجائے، پھر نو بجے لیکن دروازہ نہ کھلا۔ اب لوگوں نے دروازہ پٹینا شروع کر دیا۔ لیکن کمرے کے اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اس طرح انتظار کرتے کرتے شام ہو گئی۔ لیکن دروازہ نہ کھلتا تھا، نہ کھلا۔ یہ دیکھ کر حکیم صاحب کے گاؤں کے معزز لوگ جمع ہو گئے۔ ہر شخص پریشان تھا کیوں کہ آٹھ سال میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ حکیم صاحب جمعہ کے دن بھی کمرہ بند کر کے عبادت کریں۔ جمعہ کے روز تو وہ نماز جمعہ باجماعت ادا کرنے کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ جب شام تک دروازہ نہ کھلا تو گاؤں والوں کو یقین ہو گیا کہ حکیم صاحب کمرے میں کسی حادثہ کا شکار ہو گئے ہیں۔ آخر دروازہ توڑنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پھر یہ خیال کر کے کہ شاید وہ عبادت میں مصروف ہوں ایک دن مزید انتظار کیا گیا۔ لوگ ہفتہ کے دن تالا توڑ کر اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ کمرہ خالی ہے۔ اور کمرے کا عقی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ کمرے کا سامان جوں کا توں موجود

تھا۔ البتہ ان کی بیگم کی تصویر نیچے چاندنی کے فرش پر پڑی تھی۔ جب اسے اٹھایا گیا تو نیچے سے ایک لفاظ نکلا جس پر تجسس برپا ہوا کہ اس لفاظ کو ان صاحب کے سپرد کر دیا جائے جو صوبہ بہار سے اپنی لڑکی ساتھ لائے ہیں۔ تاجر نے جب یہ لفاظ چاک کیا تو اندر سے ایک خط برآمد ہوا جس پر لکھا ہوا تھا "میں نے آپ کی لڑکی کو مجھ کے دن طلاق دے دی ہے۔ اب وہ کبھی بے ہوش نہیں ہوگی۔ بہتر ہے آپ آج ہی اپنے بوسٹ جائیں۔ یہاں کے قبا میں آپ کو پریشانی ہوگی۔ جاتے وقت اپنی صاحب زادی کی تصویر بھی لیتے جائیں۔" تصویر دیکھی تو انہیں سخت حیرت ہوئی۔ یہ ان کی لڑکی کی تصویر تھی۔ گاؤں والے بھی حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے سوال کرتا مگر جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ تاجر اپنی بیٹی کی تصویر اور بیٹی کو لے کر گھر لوٹ گئے۔ اس کے بعد ان کی بیٹی پر کبھی بے ہوشی کا دورہ نہیں پڑا۔

ٹیلی پیٹھی کا پہلا سبق

حضرت غوث علی شاہؒ اور بزرگوں سے سنے ہوئے واقعات پر غور کرنے سے ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ خیالات منتقل کرنے کے لئے مسلسل کسی ایک نقطہ پر توجہ کا مرکوز ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر ذہنی یکسوئی حاصل نہ ہو تو توجہ کسی ایک نقطہ پر قائم نہیں رہتی۔ ٹیلی پیٹھی سیکھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہمارا ذہن ہزاروں لاکھوں خیالات سے نجات حاصل کر کے صرف ایک خیال کو اپنا ہدف بنائے۔ اور ایک سو ہو جائے۔ ایک سوئی حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل عمل تلقین کیا جاتا ہے۔ صبح سویرن نکلنے سے قبل اور رات کو سوتے وقت آلتی پالتی مار کر شمال رخ منہ کر کے بیٹھ جائیں۔

- ۱۔ داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے دائیں نتھنے کو اوپر کی طرف سے بند کر لیں۔
- ۲۔ بائیں نتھنے سے پانچ سینکڑ تک سانس اندر کھینچیں۔
- ۳۔ داہنے نتھنے پر سے انگوٹھا ہٹالیں اور دائیں چھنگلی سے بائیں طرف کے نتھنے کو بند کر لیں۔

۴۔ پانچ سینکڑ تک سانس کو روک لیں۔

۵۔ داہنے نتھنے سے سانس کو پانچ سینکڑ تک باہر نکالیں۔

۶۔ دوبارہ داہنے ہی نتھنے سے سانس پانچ سینکڑ تک اندر کھینچیں۔

۷۔ اب چینگلیا ہٹا کر دوبارہ داہنے انگوٹھے سے داہنا ہاتھ صاحب سانس
بند کر لیں اور سانس کو پانچ سیکنڈ تک روک رکھیں۔ پھر بائیں ہاتھ سے سانس کو
آہستہ آہستہ نکالیں۔

یہ ایک جکڑ ہوا۔ اسی طرح سے پانچ مرتبہ اس عمل کو دہرائیں۔ سانس کی مشق کرنے
سے پہلے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔ جسم میں کسی قسم کا تڑپنا نہیں ہونا چاہیے۔ ریڑھ کی ہڈی اور
گردن کو ایک سیدھ میں رکھیں۔ سانس کا عمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری
ہے کہ پیٹ خالی ہو۔ جس جگہ مشق کی جائے وہاں تازہ ہوا گزرتی رہے تاکہ پھیپھڑے
کافی مقدار میں آکسیجن جذب کر سکیں۔ سردی کے زمانے میں عمل تنفس کے دوران کمرے
کے دروازے اور کھڑکیاں کھلی رکھیں۔ میٹھی اور کھٹی چیزیں کم سے کم استعمال کریں۔ ایک
ڈائری میں روزانہ پیش آنے والے واقعات لکھتے رہیں۔

شیشی پتی کا طالب علم اگر ہر وقت باوجود غور رہے اور اپنا زیادہ تر وقت تاریکی میں
گزارے تو اثرات بہت جلد مرتب ہوتے ہیں۔

رات کا کھانا مغرب کے وقت آدھا پیٹ کھائیں۔ کھانے کے کم سے کم ڈھائی
گھنٹے بعد (زیادہ وقفہ گزر جائے تو اور اچھا ہے) سونے سے پہلے پانچ مرتبہ مندرجہ بالا
یک سوئی حاصل کرنے والا عمل کریں، پھر منگیلیں بند کر لیں اور یہ تصور کریں کہ نور کا ایک
دریا ہے۔ صاحب مشق اور ساری دنیا اس نور میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہ تصور اندازہ
سے آدھے گھنٹے تک قائم کریں۔ اگر ادھر ادھر کے خیالات آئیں تو اس کی پرواہ نہ کریں
اور نہ ہی انہیں روکنے کی کوشش کریں۔ خیالات آتے رہیں گے اور ان خود گزرتے رہیں گے۔ آپ
اپنا عمل جاری رکھیں۔ اس مراقبے کے بعد کوئی دوسرا نیا دی کا نام کریں اور اسی تصور میں سو جائیں۔

مٹھاس اور نمک

سوال ہے کہ مٹھاس کے ترک یا کمی سے انسان کے اندر کیا تبدیلی پیدا
ہوتی ہے؟

ہم بتا چکے ہیں کہ انسان کے اندر ہمہ وقت دو دماغ کام کرتے ہیں۔ ایک
دماغ شعوری حواس بناتا ہے۔ ایسے حواس جو TIME AND SPACE میں
جکڑے ہوئے ہیں۔ دوسرا دماغ انسان کا لاشعور ہے اور ایسے حواس بناتا ہے جو نام
اور اسپیس سے آزاد ہیں۔ مٹھاس کے اندر کام کرنے والی مقداریں کشش ثقل پیدا
کرتی ہیں اور نمک جن مقداروں سے مرکب ہے وہ مقداریں لاشعوری حواس کو
متحرک کرتی ہیں۔ تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ جو لوگ مٹھاس کی نسبت نمک زیادہ
استعمال کرتے ہیں ان کے اندر لاشعوری تحریکات زیادہ سرگرم عمل رہتی ہیں۔

مجھے جب یہ قانون معلوم ہوا تو ذہن میں یہ بات آئی کہ اس قانون پر عمل کر کے
تجربہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے میٹھی چیزیں کھانا بالکل چھوڑ دیں۔ دو تین ہفتے طبیعت
کے اندر سخت اضطراب واقع ہوتا رہا۔ چند ہفتوں کے بعد طبیعت عادی ہو گئی۔ اضطراب
تو کم ہو گیا لیکن طبیعت بے کیف رہنے لگی اور مزاج میں چسپڑا پن آ گیا۔ دو مہینے
کے بعد پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ جسم لطیف اور ہلکا ہے۔ یہ بات واضح کر دینا ضروری

ہے کہ میں مٹھاس کے ترک کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر یکجہ ہونے کی مشق بھی کرتا رہا۔
 مٹھاس کے ترک سے جب خون میں نمک کی مقدار کا اضافہ ہوا تو پہلی مرتبہ
 دیواریں کاغذ کی بنی ہوئی نظر آئیں۔ اور زیادہ گہرائی پیدا ہوئی تو مکانیت (SPACE)
 ٹوٹنے لگی۔ بے خیالی کے عالم میں کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ذہن نے کر دٹ بدلی اور یہ
 دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ فرش اور چھت کا فاصلہ فی الواقع کوئی فاصلہ نہیں ہے۔
 میں نے جب چھت کو چھونا چاہا تو چھت مجھ سے اتنے قریب آگئی کہ میں نے اسے
 آسانی سے چھو لیا۔ یعنی چھت اور فرش کا درمیانی فاصلہ ختم ہو گیا۔ مٹھاس چھوٹے
 ہوئے جب تین ماہ گزرے تو خوابوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا، ایسے
 خواب جن کی تعبیر صبح بیدار ہونے کے بعد سامنے آجاتی تھی۔

میں نے دیکھا کہ میری بہن بیمار ہے اور سخت کرب کے عالم میں بے چین
 ہے۔ صبح بیدار ہونے کے بعد مجھے اس بات پر اس لئے تعجب ہوا کہ میں رات کو
 بہن کے پاس سے آیا تھا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ کچھ دیر گزرنے کے
 بعد اطلاع ملی کہ بہن کی طبیعت رات اچانک اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ ڈاکٹر نے
 اسپتال میں داخل ہونے کا مشورہ دیا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد خواب میں نظر آیا کہ میرے ایک عزیز دوست کا خط آیا ہے
 ابھی خط میں کھونٹے بھی نہ پایا تھا کہ میری نظر کسی ریلوے اسٹیشن پر پڑی جہاں لوگ
 اپنے عزیز واقربا کو خوش آمدید کہنے کے لئے جمع ہیں۔ ریل پلیٹ فارم پر آئی تو میں
 بھی دوسرے لوگوں کی طرح ایک ڈبے سے دوسرے ڈبے میں کسی کو تلاش کرتا
 پھر رہا ہوں اور اسی عالم میں میری آنکھ کھل گئی۔ اگلے روز صبح گیارہ بجے مجھے ایک

تار ملا کہ میرے دوست کو اچھا آسہ ہے ہیں۔ جب کہ بیس سال کے عرصے میں اس عزیز
 دوست سے نہ کبھی ملاقات ہوئی اور نہ خط و کتابت کا سلسلہ قائم رہا تھا۔

پھر یہ خواب عام تصورات اور عام خیالات سے ہٹ کر اس طرح جلوہ افروز
 ہوئے کہ میں خود کو ہواؤں میں محو پرواز دیکھنے لگا۔ اڑنے کی صورت یہ ہوتی تھی جیسے
 ہوا میں پرندے اڑتے ہیں۔ لیکن پرندے پروں کو اوپر نیچے کرتے ہیں اور میں پرواز
 کے دوران ہاتھوں کو اونچا نیچا کرتا تھا۔ بعض اوقات اڑان اتنی اونچی ہو جاتی تھی
 کہ اوپر سے نیچے دیکھنے سے دہشت اور خوف مسلط ہو جاتا تھا۔ پھر ان خوابوں
 نے ایک نیا روپ دھارا وہ یہ کہ دور دراز کی چسیزیں خواب میں نظر آتیں اور
 خواب میں قسم قسم کے لذیذ اور شیریں پھل کھانے کو ملتے اور جب میں نیند سے بیدار
 ہوتا تو زبان پر ان پھلوں کا ذائقہ اور شیرینی کا احساس موجود ہوتا۔ چھ مہینے تک
 مٹھاس استعمال نہیں کی گئی تو یہ کیفیت وارد ہوئی کہ کھلی آنکھوں سے دور دراز کی
 چیزیں سامنے آنے لگیں۔ مثلاً یہ کہ میرے ایک دوست سوئٹزر لینڈ میں مقیم تھے۔
 بیٹھے بیٹھے مجھے ان کا خیال آگیا اور میں نے دیکھا کہ میں سوئٹزر لینڈ میں اپنے دوست
 کے گھر میں موجود ہوں۔ اس کے گھر کا صحن، کمرے اور کمرے کے اندر آرائش کا سامان
 میں نے اس طرح دیکھا جیسے ایک آدمی اپنے گھر کا ڈرائنگ روم دیکھتا ہے۔ دوست
 کے ساتھ گفتگو بھی ہوئی۔ میرے لئے یہ تجربہ بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ میں نے اپنے
 دوست کو ایک خط لکھا اور خیالی دنیا میں دیکھے ہوئے گھر کا ایک نقشہ بنایا۔ سمتیں متعین
 کیں۔ نقشے میں کمروں کی تعداد، صحن کی پیمائش اور FRONT ELEVATION
 کی سمت لکھ کر یہ خط انہیں پوسٹ کر دیا۔ میرے دوست نے جواباً اس بات پر بہت

حیرت کا انا بار کیا کہ آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ میرے گھر کا نقشہ یہ ہے اور یہ EAST OPEN ہے اور اس میں کتنے کمرے ہیں اور ان کمروں میں کس قسم کا فرنیچر ہے۔ انہوں نے لکھا کہ میں نے خط میں لکھی ہوئی ایک ایک بات کو گھر اور گھر میں آرائش کے سامان سے موازنہ کیا جو حرف بہ حرف صحیح نکلا۔ انہوں نے لکھا کہ واقعہ یہ ہے کہ اتنی زیادہ تفصیل میں بھی بیان نہیں کر سکتا تھا۔

میٹھا چھوڑے ہوئے جب نو مہینے گزرے تو دماغ میں مخاطب کے خیالات منتقل ہونے لگے۔ جو کچھ اس کے دماغ میں ہوتا تھا وہ میں من و عن بیان کر دیتا تھا۔

میرے آبا جی سجد سے نہر کی نماز پڑھ کر تشریف لائے۔ میں چونکہ من ازاد کرنے کے لئے سجد نہیں جاسکتا تھا، اس لئے انہوں نے مجھے بہت سخت سست کہا۔ میں نے عرض کیا آبا جی معاف کر دیں، آئندہ یہ کوتاہی سرزد نہیں ہوگی۔ لیکن جب وہ مسلسل سرزنش کرتے رہے تو یکایک خیال کی ایک بہرائی اور میں نے دیکھا کہ آبا جی سجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اور بحالت نماز گھر کی چھت کا حساب لگا رہے ہیں کہ اتنے پیسے شترنگ میں خرچ ہوں گے، اتنے لوہے میں لگیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ان سے مؤدبانہ عرض کیا آبا جی ایسی نماز کا کیا فائدہ جس میں آدمی گھر کی چھت کا حساب لگاتا رہے۔ اس وقت مجھے بہت زیادہ ندامت ہوئی جب آبا جی نے فرمایا کہ واقعتاً میں نماز میں حساب لگاتا رہا ہوں۔

یہ چند مثالیں اس بات کا تین ثبوت ہیں کہ مٹھا اس کا ترک ٹائم اسپیس کی حد بند یوں کو توڑ دیتا ہے۔ ہم نے مشقوں کے دوران میٹھی چیسزوں کے کم سے کم استعمال کا مشورہ اس لئے دیا ہے کہ خیالات کے اوپر سے ٹائم اسپیس کی

گرفت کم سے کم ہو جائے۔

شیلی پیٹی کی بنیاد یہی ہے کہ ایک آدمی اپنے خیالات دوسرے آدمی کو بغیر کسی وسیلے کے منتقل کر دے۔ وسیلے سے ہماری مراد یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان جو طبعاً فاصلہ اور وقت یعنی مکانت اور زمانیت واقع ہے وہ ختم ہو جائے۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں خیالات روشنی ہیں، ایسی روشنی جو ٹائم اسپیس سے آزاد ہے کیوں کہ ہمیں اس کی عادت نہیں ہے کہ ہم بغیر وسیلے کے اپنی بات دوسروں تک پہنچائیں۔ اس لئے ہمیں یہ حسیہ حاصل کرنے کے لئے پہلے ذہنی یکسوئی کے ساتھ مشق کرنی پڑتی ہے۔ مشقیں بہت سی ہیں۔ مثلاً شمع مینی، دائرہ مینی، اندھا مینی، نگیٹو مینی، سورج مینی، چاند مینی، آب مینی، آئینہ مینی وغیرہ۔

آئینہ مینی سے متعلق ایک واقعہ مثال کے طور پر پیش خدمت ہے جو جمعہ ۱۴۔ اگست ۱۸۹۶ء کو انگلینڈ کے اخبار "مارٹنگ لیڈر" میں چھپا۔ گزشتہ ماہ ڈیوڈ ٹھاس نامی ایک شخص کی لاش جو کہ لارڈ وڈنگ سر کی جاگیر میں بحیثیت کارپنٹر کام کرتا تھا، کارڈف کے قریب، فردوار نامی موضع کے پاس پائی گئی۔ کسی نے اس کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ تلاش کے باوجود نہ تو قاتل کا کوئی سراغ مل سکا اور نہ ہی سبب قتل کا علم ہوا۔ تمام شہادتوں کی رو سے ڈیوڈ ایک خاموش لوح آدمی تھا۔ اُسے سب ہی پسند کرتے تھے۔ اس کے گھر تو تعلقات بھی خوش گوار تھے۔ وہ کارڈنگ شائر کے ایک چھوٹے سے قصبے امیزان کا باشندہ تھا لیکن گزشتہ کئی سال سے گلورگن شائر میں رہ رہا تھا۔ اس نے اسی جگہ ایک محسنز خاتون سے شادی کی تھی۔

چند ماہ قبل اسے لارڈ وڈسٹر کی جاگیر میں بڑھئی کی حیثیت سے ملازمت ملی تھی۔ اس نے وہ کارڈٹ سے تھوڑی ہی دور ایک گاؤں میں منتقل ہو گیا تھا۔ اسے اس گاؤں میں آئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ ہفتہ کی رات کو یہ واقعہ پیش آیا۔ حادثے کی رات اس نے اپنا کام وقت سے کچھ دیر پہلے ہی ختم کر دیا تھا تاکہ وہ اپنے کیمین کے آگے اُگی ہوئی گھاس اور جھاڑ جھنکار کاٹ سکے۔

سہ پہر کے وقت جب وہ کام سے بیزار ہو کر کیمین میں گیا تو اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ وہ بچوں کو باہر تفریح کے لئے لے جائے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی بیوی نے بھی جو کیمین کے دوسرے حصے میں کام کر رہی تھی، اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ تاہم اسے اتنا یاد رہا کہ اس کے شوہر نے اوپر جانے کے بعد ہاتھ منہ دھویا اور کپڑے بدلنے کے بعد بچوں کو ساتھ لئے بغیر ہی چلا گیا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر اس کی کسی دوست سے ملاقات ہو گئی اور دونوں بیٹھے ہوئے شراب خانے میں چلے گئے جہاں انہوں نے کچھ بیئر پی اور پھر دس بجے شب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس وقت تھا اس بہت خوش تھا اور وہ تیزی سے چلتا ہوا گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سڑک کے ایک سنان مقام پر پہنچا۔ اسی لمحے ایک دوسرے راہ گیر نے پستول چلنے کی آواز اور ایک دردناک چیخ سنی۔ اس راہ گیر کو گولی چلنے کے فوراً بعد ایک ایسا آدمی تیز چلتا ہوا دکھائی دیا جس کے انداز سے پریشانی مترشح تھی۔

اس مقام سے دو سو گز آگے راہ گیر کو سڑک کے کنارے لاش پڑی دکھائی دی۔ جب اس نے لوگوں کو مدد کے لئے پکارا تو معلوم ہوا کہ لاش ڈیوڈ تھا جس کی ہے

اسے تقریباً سو گز کے فاصلے سے گولی ماری گئی تھی۔ مگر وہ فوراً ہی نہیں مر گیا۔ بلکہ ذہنت کے عالم میں کچھ دور تک دوڑتا چلا گیا تھا۔ سڑک پر اتنی دور تک خون کی لکیر صاف دکھائی دے رہی تھی۔

اس قتل اور قاتل کی شناخت کے سلسلے میں "کارڈٹ سائیکولوجیکل سوسٹی" کو جانب سے آئینہ بینی کرنے والی ایک ۱۹ سالہ لڑکی نے آئینہ بینی کے ذریعے عجیب و غریب انکشافات کئے۔ کچھ دنوں کے بعد اس لڑکی کو فیروا لے جایا گیا۔ وہ اس سے قبل وہاں کبھی نہیں گئی تھی۔ وہاں جا کر اس نے سابقہ طریقے کے ذریعے قتل سے متعلق تمام تفصیلات بیان کر دیں۔

اس عجیب و غریب واقعہ کی اطلاع اخبار "ویسٹرن میل" والوں کو بھی ہوئی۔ لڑکی کے بیان کو مشکوک سمجھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ اخبار کے دو نمائندوں کی موجودگی میں اس تجربے کو دہرائے۔ لڑکی نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ چنانچہ ایک رات اس تجربے میں حصہ لینے والے تمام افراد اس شراب خانے کے باہر جمع ہو گئے جہاں مقتول ڈیوڈ تھا جس نے اپنی زندگی کا آخری جام پیا تھا۔ شراب خانے سے وہ آئینہ بینی لڑکی چل پڑی۔ اس کے ہمراہ "ویسٹرن میل" کے نمائندے بھی تھے۔ وہ خاموشی سے چلتی رہی حتیٰ کہ ایک جگہ وہ خود ہی بول اٹھی "میں اپنی نگاہوں کے سامنے ایک پستول دیکھ رہی ہوں۔ اس کا رخ میری جانب ہے۔ پستول نیا اور چمک دار ہے۔ اس پستول کا دھانڈا شادہ نظر آ رہا ہے۔ اور نال میری جانب اٹھی ہوئی ہے۔"

چالیس گز مزید آگے بڑھنے کے بعد لڑکی نے دوبارہ کہا "میں کسی کے قدموں کی چاپ سن رہی ہوں۔ مجھے ایک آدمی دکھائی دے رہا ہے۔"

”کہاں؟“ نمائندوں نے سوال کیا۔

بابے۔ غائب اس کوشش میں ہے کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔

”اس کا حلیہ کیا ہے اور اس نے کسے کپڑے پہن رکھے ہیں؟“

آئینہ میں لڑکی جس پر اس وقت جذب کی سی کیفیت طاری تھی تیزی سے بونٹے لگی
اور اچانک اس کے قدموں میں بھی تیزی آگئی۔ اس کے ہمراہ چلنے والے نمائندوں نے
اسے باہنوں سے چوڑا کر سہارا دے رکھا تھا۔ اچانک لڑکی نے ایک جھٹکے سے ایک
ساتھی کو آگے دھکیل دیا۔ اس نے جس خالی شبیہ کو دیکھا تھا اب وہ اس کے تعاقب
میں تھی۔ لڑکی کے حلقے سے ایک درخت کی شاخ نکلی۔ ایک اخباری نمائندے نے پاک
کر اسے ہٹا دیا۔ ورنہ وہ منہ کے بل زمین پر گر جاتی۔ یہ واقعہ عین اس جگہ پیش آیا
جہاں ڈیوڈ تنہا مس کو پیسی گولی لگاتی تھی۔

رول کی کے خلق سے کراہنے کی آوازیں نکلتی تھیں۔ وہ اپنے بازوؤں کو بڑے
 کرب کے عالم میں موڑ کر پشت کی جانب لے جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اجکاری نماز
 نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کتھول کے نیچے کسی مقام تک پہنچنے کے لئے بے تاب ہیں۔ انہوں
 نے اس کو مضبوطی سے سہارا دیا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔

طرک کی حالت لمحہ بہ لمحہ نازک ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چڑھ گئی تھیں اور صرف پتیلیاں نظر آرہی تھیں۔ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے وہ قریب المرگ ہو۔

”اسے چھوڑ دو۔“ ایک اخباری نمائندے نے کہا اور لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دیا گیا۔ وہ کراہتی ہوئی زمین پر آ رہی۔ اس کے کراہنے سے انتہائی کرب ظاہر ہو رہا تھا۔ اور وہ

مرتے ہوئے کسی جاندار کے سے انداز میں کراہتی ہوئی یوں ساکت ہو گئی جیسے مر چکی ہو۔
 "لولو دوست! تم کون ہو؟" ایک منازرے نے بہ آواز بلند کہا۔

لڑکی نے بہت دھیمی آواز میں اُمک اُمک کر جواب دیا۔ "ڈیوڈ... سید... سید....

...تھامس^{۱۱}

”تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟“

”مجھے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ لیکن اس کا لہجہ مردانہ تھا۔
”تمہیں کس نے گولی ماری تھی؟“

لڑکی نے ایک نام بتایا جسے اخباری نمائندوں نے نوٹ کر لیا۔
 "اب تم ہم سے کیا چاہتے ہو دوست! ہم کیا کریں؟" سوال کیا گیا۔
 "آہستہ آہستہ لڑکی کے لب حرکت کر رہے تھے جیسے وہ انتہائی کرب کے عالم
 میں بولنے سے قاصر ہونے کے باوجود بولے بغیر نہ رہ سکتی ہو۔"

"میں اپنا انتقام لوں گا۔"

”کس سے؟“

”جس نے مجھے گولی مار کر ہلاک کیا ہے۔“

اس گفتگو کے بعد لڑکی نے انہیں آگے قتل کے بارے میں بتایا۔ اس پستول کو برآمد کر لیا گیا جس سے ایک سال قبل ڈیوڈ تھا مس کو ہلاک کیا گیا تھا۔ اس دوران لڑکی مردہ حالت میں (بظاہر) ٹیلی فون کے ایک کھمبے کے قریب لیٹی رہی۔ رفتہ رفتہ اس کی حالت معمول پر آتی چلی گئی اور پھر یکا یک وہ چلانے لگی۔ "دیکھو، دیکھو" اس کا لہجہ انتہائی خوف زدہ تھا۔ "خون دیکھو۔"

”کہاں؟“

”یہاں دیکھو!“ لڑکی چلائی۔ ”خون، خون کے قطرے۔“

اجناری نمائندوں نے بغور دیکھا لیکن کسی مرنے والے خون کے قطرے انہیں نظر نہیں آئے۔
”مجھے یہاں سے دور لے چلو!“ لڑکی نے اپنے پرے وجود سے کانپتے ہوئے کہا۔

اور پھر کیا ایک اس کا جسم اڑا گیا۔ اس نے کہا: ”وہ ادھر ہے۔“ ایک مرتبہ پھر لڑکی کے
ہجے پر شدید خوف کا غلبہ ہوا۔ اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ آنکھوں سے ابھی تک مرنے
جھلک رہی تھی۔

”تم کیا دیکھ رہی ہو؟“

”بھوت!“ لڑکی نے جواب دیا۔

اس کے فوراً بعد ہی اجناری نمائندوں کی ٹیم وہاں سے واپس آگئی۔ ان میں سے
ہر ایک اپنی اپنی جگہ خوف زدہ تھا اور ان کے چہرے پیلے پڑ گئے تھے۔

نظاہر یہ واقعہ بہت عجیب اور عقل کی حدود سے باہر ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔
آپ ٹیلی ویژن کے اس مضمون میں پڑھ چکے ہیں کہ انسان کے اندر دو دماغ کام کرتے ہیں۔ دماغ
غیر دوجیب متحرک ہو کر سامنے آجاتا ہے تو ایسی باتیں سامنے آنے لگتی ہیں جن کی عقل اس
نے تشریح نہیں کر پاتی کہ وہ ”مائم اسپیس“ کی بندوبست میں جکڑی ہوئی ہے۔ آئینہ مینی ہو
یا اور کسی قسم کی مشق جو دماغ کو خیالات کے هجوم سے نکال کر کسی ایک نقطہ پر مرکوز کر دے
اس کے نتائج بھی مرتب ہوتے ہیں کہ نفروں کے سامنے ایسے حالات و واقعات دور
کرنے لگتے ہیں جو عام نظموں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اسی بات کو مختصراً اس طرح کہا
جاسکتا ہے کہ جب خیالات کا هجوم ٹوٹ کر صرف اور صرف ایک خیال پر مرکوز ہو جائے تو

انسان کے اندر چھٹی حس اپنی نوری توانائیوں کے ساتھ متحرک ہو جاتی ہے۔

یہ ہم سب کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہماری زندگی کا تار و پود دراصل مختلف انواع
خیالات پر قائم ہے اور نوع انسانی خیالات کے ان ہی چھوٹے بڑے ٹکڑوں پر زندگی
گزارتی ہے۔

مثال:

ہمیں بھوک لگتی ہے۔ بھوک کیا ہے؟ جسمانی نشوونما قائم رکھنے کے لئے بھوک
طبیعت کا ایک تقاضہ ہے۔ یہ تقاضہ خیال بن کر ہمارے دماغ پر وارد ہوتا ہے اور ہم
اس خیال کی طاقت کے زیر اثر کچھ نہ کچھ کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس زندگی
ہر تقاضہ اسی قانون کا پابند ہے۔ زندگی میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو خیال سے
شروع ہو کر خیال پر ختم نہ ہوتا ہو۔ اعصاب جب کان محسوس کرتے ہیں تو طبیعت
ہمیں خیال کے ذریعے اس بات سے مطلع کرتی ہے کہ ہمیں آرام کرنا چاہیے اور ہم سو جاتے
ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

کیفیات و اوقات

لاہور سے منیرہ فاطمہ لکھتی ہیں کہ میں بہت دنوں سے ٹیلی مینیجنگ سیکھنے کی خواہشمند تھی۔ روحانی ڈائجسٹ میں ٹیلی مینیجنگ کی پہلی مشق شائع ہوئی تو میرے دل کی مراد پوری ہوئی اور میں نے اللہ کا نام لے کر مشق شروع کر دی۔ مشق کے دوران جو کیفیات مرتب ہوئیں اور جو چیزیں سامنے آئیں ان کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

۹۔ جون : نور کے سمت درمیں ڈوب جانے کی مشق کر رہی تھی کہ معلوم نہیں کس وقت نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔ خواب میں دیکھا کہ اللہ کا نور ہے جس کا رنگ مگر کی لائٹ (MERCURY LIGHT) کی طرح ہے۔ لیکن اس روشنی میں اتنی زیادہ چمک تھی کہ جب میں نے نظر سہرا کر دیکھا تو میری آنکھیں چت رہی گئیں۔ اس کے بعد اس مقام کی زیارت کی جہاں شہیدوں کی رو میں رہتی ہیں۔

بخسہ کی نماز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کافی تیز طوفان ہے اور میں دروازہ کھڑکیاں بند کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ مگر وہ بند نہیں ہوتیں۔ اتنے میں ایک گوالا آتا ہے اور مجھے خاص طور سے دودھ دیتا ہے جو کہ بہت گاڑھا ہے۔ وہ مجھے یہ دودھ

پینے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کا نام علم دین ہے۔ دروازہ کھلا چھوڑ کر جب میں ہنگن سے واپس کمرے میں آتی ہوں تو آسمان کی طرف دیکھتی ہوں۔ میرے سر کے عین اوپر ایک نہایت روشن ستارہ ہے جو بہت خوب صورت ہے۔ اس کے ارد گرد بال ہیں۔ پہلے تو میں اسے دیکھ کر ڈر جاتی ہوں مگر پھر مطمئن ہو کر اتار کی حمد و ثنا میں مشغول ہو جاتی ہوں۔

۱۰۔ جون : آج رات بھی نور کے دریا میں ڈوبنے کا تصور کرتے کرتے سو گئی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت باریک پٹی زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہے اور یہ زمین سے آسمان کی طرف جانے کا راستہ ہے جو بہت زیادہ روشن ہے۔ میری نظریں اس روشن راستہ کو عبور کر کے جب آسمان میں داخل ہوئیں تو میں نے اللہ کی آواز سنی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "تم اس راستے پر (نوری راستہ جو زمین و آسمان کے درمیان ہے) چلنا چاہتی ہو تو لوگوں کو خشکی اور ہمدردی کی ہدایت کرو۔"

۱۱۔ جون : مراقبہ نور کے درمیان یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سامنے سے ایک کالی اسکرین ہٹا دی۔ شگاف کے اندر جب میں نے غور سے دیکھا تو مجھے عجیب عجیب سی چیزیں نظر آئیں۔ مثلاً ایک بہت بڑی میز، بہت خوبصورت اور بڑا سا پیالہ وغیرہ وغیرہ۔

۱۳۔ جون : مراقبہ نور کے دوران یوں محسوس ہوا جیسے میری نظروں کے سامنے نور کا ایک عظیم اور لامحدود سمندر ہے جس میں ساری کائنات ڈوبی ہوئی ہے۔ ایسے میں میں نے اپنے آپ کو اندر سے کھوکھلا پایا اور دیکھا کہ میں تو جسم کے نام پر محض ایک باریک سا ورق ہوں۔ جہاں چاہوں، جب چاہوں جا سکتی ہوں۔ لہذا اپنے استاد کے پاس فضائے بسیط میں تیرتے ہوئے جانے کا سوچا۔ خیال کے آتے ہی اپنے آپ کو اڑتا

ہوا محسوس کرنے لگی اور سیرا رخ خود بخود کراچی کی طرف ہو گیا۔

۱۵۔ جون : نور کے دریا میں غرق ہو گئی۔ ایک بڑی سی کتاب دیکھتی ہوں۔

کھول کر پڑھتی ہوں۔ اس میں فارسی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ اس تحریر کے ساتھ ہی ساتھ اوپر کی طرف پینٹنگز (PAINTINGS) بنی ہوئی ہیں یعنی ہر تصویر کے بائیں

میں تفصیل درج ہے۔ ایک تصویر دیکھی جو نور کے سمندر کی عکاس ہے۔ نیلی شعاعوں کا بہت بڑا سمندر ہے جو حد نظر تک پھیلا ہوا ہے۔ شعاعوں کی اس قدر زیادتی ہے

کہ دیکھ کر خوف آتا ہے۔ سمندر بہت بڑی بڑی ہسروں اور گہرے بادلوں کی صورت میں موجود ہے۔ جب میں دوسرا ورق پلٹتی ہوں تو ایک پینٹنگ ہے جس میں ایک نہایت

ہی گہرے، ہلکے نیلے رنگ کا بہت بڑا سمندر ہے۔ اس کے بیچ ایک بہت باریک مگر نیلگوں سفید روشنی کا راستہ ہے۔ راستہ کے دائیں طرف ایک بہت بڑا درخت

ہے۔ راستہ کے اختتام پر ایک نہایت ہی شفیق اور معصوم بزرگ کھڑے ہیں۔ ان کا لباس مرکری لائٹ جیسا ہے۔ سمندر میں مرکری روشنی اس قدر ہے کہ میں دوبارہ دیکھنے کی

جرات نہ کر سکی۔ مگر ہمت کر کے دیکھا کہ وہ بزرگ راستے کے اختتام پر استقبال کرنے کے لئے کھڑے ہیں۔ ان پر ایک عجیب سی روشنی پڑ رہی ہے جو ان کے پیچھے دیواریں

سے آرہی ہے۔ وہ اس دیوار کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سمندر جو کہ بہت ہی گہرے نیلے بادلوں اور مرکری شعاعوں کا مجموعہ ہے، اس راستے کو

ڈبو دے گا۔ اور پھر یوں ان بزرگ کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔ مگر ایہ نہیں ہے کیوں کہ سمندر صرف راستہ تک آتا ہے اور پھر واپس چلا جاتا ہے۔

میں نے جب سے یہ مشقیں شروع کی ہیں نہ جانے کیوں میرے چہرے پر ہر وقت

مسکراہٹ رہتی ہے۔ اس کے علاوہ چہرے پر بربادی آگئی ہے اور اللہ تعالیٰ اس قدر رحمن و رحیم نظر آتا ہے کہ اس کے ہر جلال کا تصور بہت کم ہو گیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بس خاموش رہوں اور اپنے خدا کا تصور کرتی رہوں۔ میرے اندر سے آواز آتی ہے "میری بندگی! میں تیرے پاس ہوں، پر تو مجھ سے ابھی دور ہے۔"

فرشتے

سانکھڑے جناب ممتاز علی لکھتے ہیں کہ پہلے سبق پر عمل کے نتیجے میں مرتب ہونے والی کیفیات پیش کر رہا ہوں۔

رات کو مشق کی اور مشق کے بعد مراقبہ کیا۔ دوران مراقبہ میں نے دیکھا کہ میرا پورا وجود خسرو بننے کا فاشوں کی طرح کھل گیا ہے اور کچھ لوگ جو غائب فرشتے تھے یا کوئی اور مخلوق تھی، میرے جسم کے اندر سے سیاہ رنگ کے ساپنوں جیسی چیزیں نکال نکال کر پھینک رہے ہیں۔

۱۵۔ جون : نور کے سمندر میں ڈوبنے کی مشق کرنے میں سخت مزاحمت پیش آرہی

ہے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ مجھے جنات پریشان کر رہے ہیں۔ اور میرے اندر گھس کر بیٹھ گئے ہیں۔

۱۶۔ جون : نیم غنودگی کی حالت میں ایک مکان دیکھا جس کا رنگ برہم

اور اس کے اندر ایک نوجوان اور خوب صورت عورت ٹہل رہی ہے۔ بس ایک لمحہ کی جھلک تھی۔ اس کے بعد منظر نظروں سے غائب ہو گیا۔ دل میں خوشی کی ایک

ہراسی کہ کچھ کامیاب ہو رہا ہوں۔ اب کیفیت یہ رہتی ہے کہ دن کے وقت جب

آنکھیں بند کرتا ہوں تو اپنے آپ کو سمندر میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہوں۔ جسم میں طاقت اور جھپتی اور بھرپور قوتِ ارادی محسوس کر رہا ہوں۔

۱۸۔ جون : خواب میں خود کو ایک سبز رنگ کی دنیا میں دیکھا جہاں کی ہر چیز مکانات، باغات، مرد اور عورتیں غرض کہ اس دنیا کی ہر چیز سبز ہے۔

نیت کی دیوی

نبیاز احمد، شیخوپورہ۔

جب کسی ایک نیت سے سانس اندر کو کھینچتا ہوں تو بیشکل تین، چار سیکنڈ تک کھینچ سکتا ہوں۔ بائیں نیت سے نسبت دائیں نیت سے سانس لینے میں زیادہ دقت پیش نہیں آتی، حالانکہ سانس باہر خارج کرنے میں پانچ سیکنڈ آسانی سے پورے کر لیتا ہوں اور جب سانس اندر روکتا ہوں تب بھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ میں آسانی سے ۳۰ سیکنڈ تک سانس روک سکتا ہوں لیکن دورانِ مشق پانچ سیکنڈ تک ہی سانس روکتا ہوں۔

"تصورِ نور" کی مشق مکان کی چھت پر چار پائی پر بیٹھ کر کرتا ہوں۔ پہلے دو تین روز تک تو نور کا کوئی تصور قائم نہیں ہو سکا۔ طرح طرح کے خیالات تنگ کرتے رہے مگر اب خیالات کی شدت میں کمی آگئی ہے۔

۱۴۔ جون : مشق شروع کی۔ حسبِ معمول خیالات کی فوج ظفر مونج نے یلغار کر دی۔ میں نے کسی خیال کو نہ تو روکنے کی کوشش کی اور نہ ہی روک لیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کوئی بھی خیال جو آتا، فوراً گزر جاتا۔ پھر چپ سیکنڈ، خواب آدو سیکنڈ

تک، نور کی ایک لکیر سی نظر آئی جو ایک طرف سے باریک اور دوسری طرف سے موٹی تھی۔ اور وہ کسی پہاڑ کی طرف جاتی تھی۔

۱۸۔ جون : میں نے اپنے خود کو ایک سرسبز علاقے میں پایا۔ اور میرے پاؤں کے قریب سے ایک: الی جو روشنی سے بھری ہوئی تھی، اٹھاتے کھیتوں اور باغات سے گزرتی ہوئی ایک پہاڑ کے دامن میں جا کر گم ہو گئی۔

جب میں سانس کی مشق کرتا ہوں تو نیت کی دیوی آدھمکتی ہے جو بار بار اصرار کرتی ہے کہ میں اس کی آغوش میں چلا آؤں۔ مگر جب میں آدھمکتے کے بعد "تصورِ نور" میں بسٹ جاتا ہوں تو نیت کی وہ پیاری دیوی نہیں معلوم کہاں گم ہو جاتی ہے۔

نور میں ڈوبی ہوئی کائنات

کراچی سے رضیہ سلطانہ نے ۲۰۔ جولائی سے ۲۷۔ جولائی تک کی رپورٹ لکھی ہے :

آج سے نور کے سمندر میں غرق ہونے کی مشق شروع کی۔ عشاء کی نماز کے بعد رات گیارہ بجے تصور کیا کہ ساری کائنات نور میں ڈوبی ہوئی ہے اور میں بھی نور کے سمندر میں ہوں۔ مشق شروع کرنے سے قبل پچاس مرتبہ درود شریف اور سو مرتبہ "یا قیوہ" کا ورد کیا۔ تصور تقریباً پندرہ منٹ کیا لیکن تصور قائم نہ ہو سکا۔ اور چونکہ کافی تھکی ہوئی تھی اس لئے پندرہ منٹ بعد سو گئی۔

۲۴۔ جولائی : آج میں نے تقریباً بیس منٹ مشق کی۔ مجھے یوں محسوس ہوا

گویا کہیں کہیں سے روشنی کی کرنیں آرہی ہیں۔ کرنیں آنکھ کے دائیں اور بائیں گوشے سے آتی ہوئی محسوس ہوئیں لیکن کسی واضح شکل میں سامنے نہیں آئیں بلکہ تیزی سے حرکت میں رہیں جیسے کوئی شعاع منعکس ہو۔

۲۷۔ جولائی : دورانِ مشق یوں محسوس ہوا گویا ہلکے سفید رنگ کے کچھ دھبے سے ہیں۔ یہ دھبے ایک کے بعد ایک آتے رہے۔ کافی مختصر عرصہ کے لئے نگاہوں کے سامنے رہے اور پھر غائب ہو گئے۔

تیسری آنکھ

فادق مصطفیٰ، بھاؤل پور۔

۳۰۔ اگست : مراقبہ نور کی مشق شروع کرنے کے تقریباً دیر بعد دریا کا تصور کچھ قائم ہوا۔ مراقبہ ہوتے وقت میرا رخ شمال کی طرف تھا مگر دریا کا تصور مشرق سے مغرب کی طرف قائم ہوا۔ دیکھا کہ ایک نور کا دریا ہے۔ سفید رنگ نورانی روشنی میں ہلکی سی پیلاہٹ ہے۔ سامنے زمین سے بہت دور ایک کنارہ ہے، دوسرا کنارہ بھی زمین سے بہت دور ہے۔ زمین وسط میں سے ڈوبی ہوئی ہے۔ دائیں طرف بہت دور سے دریا آرہا ہے اور بائیں طرف کو کہیں دور جا رہا ہے۔ تصور قائم ہوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے چہرے پر سفید روشنی پڑ رہی ہو۔ مشق کے شروع میں خوف سا محسوس ہوا تھا۔ لیکن پھر فوراً ہی ختم ہو گیا۔

۱۱۔ اگست : ایک طویل راہ داری نظر آئی جس کی دوسری طرف سرسبز درخت روشنی میں نہاے ہوئے موجود تھے۔ روشنی بعض اوقات سفید ٹوب لائٹ جیسی نظر آتی ہے

اور بعض اوقات دھوپ جیسی محسوس ہوتی ہے۔

۱۴۔ اگست : مشق شروع کرنے کے کچھ دیر بعد جب تصور نور میں ڈوبا ہوا تھا، ایک دم آنکھوں کے سامنے روشن چمکیلی سفید لہرائی اور محدود ہو گئی۔ اور اسے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

۱۵۔ اگست : ایک موم جی نظر آئی۔ شعلہ سبز رنگ کا تھا اور شعلے کی درمیانی جگہ سیاہ تھی۔ پھر کئی موم بتیاں نظر آئیں۔

۱۷۔ اگست : مشق شروع کرتے ہی نور کے لامحدود دریا میں ڈوب گیا اور اس کے ساتھ ہی میرے اوپر غنودگی سی چھا گئی۔ ہنسیں معلوم غنودگی میں کیا کیا نظر آیا۔ تھوڑی دیر بعد نیند کا جھٹکا لگا اور سیدھا ہو گیا۔ پھر تصور قائم ہوتے ہی غنودگی میں چلا گیا۔ کافی دیر تک چکر چل رہا۔ جھٹکے لگتے رہے اور غنودگی چھاتی رہی۔

۲۲۔ اگست : اب کیفیت یہ ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے کسی بھی وقت جس چیز کا تصور کرتا ہوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ چیز تیسری آنکھوں کے سامنے ہے۔

۱۷۔ ستمبر : حسب معمول شمال کی طرف منہ کر کے مشق شروع کی۔ لیکن فوراً خیال آیا کہ مغرب کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ یوں لگا جیسے میرا جسم مغرب کی جانب گھوم رہا ہے۔ یہ خیال اتنا طاف نور تھا کہ میں واقعاً مغرب کی طرف رخ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد ذہن پرسکون ہو گیا۔ جسم کے مختلف حصوں میں سوئیاں چمکتی رہیں۔ پھر لوہا لگا جیسے سینہ اور پیٹ کے درمیان ایک لمبا سا شگاف پڑ گیا ہے اور اوپر والا حصہ لباس کی طرح جسم سے اترنا چاہتا ہے۔

۲۳۔ ستمبر : آج مراقبہ شروع کرنے کے تقریباً ہی دیر بعد یہ محسوس ہوا کہ

میری پشانی کے عین درمیان میں ایک آنکھ موجود ہے اور یہ آنکھ اس نور کو دیکھ رہی ہے جس نور کے اندر میں خود اور زمین ڈوبی ہوئی ہے۔ سوئیاں چھنے کا احساس آج بھی ہوتا رہا۔

دعا قبول ہوئی

محمد جہانگیر تبسم، ڈیرہ اسماعیل خاں۔

۱۳۔ ستمبر: مراقبہ میں دیکھا کہ میں نور کے دریا میں غوطے کھا رہا ہوں، صوفی سر باہر ہے۔ اسی دوران کسی غیبی آواز نے مجھے مبارک باد دی۔ شوق کے دوران میں نے سر میں بھاری پن محسوس کیا۔

۱۴۔ ستمبر: سر میں بائیں طرف کسی ہارنے سرکتے ہوئے میرے دماغ میں ہلچل پھادی اور میں نے اپنی آنکھوں سے سفید روشنی کی لہریں نکلتی ہوئی محسوس کیں۔

۱۶۔ ستمبر: دیکھا کہ میرے چاروں طرف نور ہی نور ہے اور سامنے بہت اونچا مینار ہے۔ میں دریائے نور میں غوطے کھانا ہوا مینار تک پہنچا۔ اس کے بعد تصور ٹوٹ گیا۔ سر میں ہلکا ہلکا درد محسوس ہوا۔ اور میرے دماغ میں سے روشنی کی لہریں نکلنے لگیں۔

۲۰۔ ستمبر: رات دس بجے نور کے سمندر میں ڈوبنے کی مشق کے دوران دیکھا کہ میں نور کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی میرے ساتھ ڈوبے ہوئے ہیں۔ اچانک میرے دماغ میں باغ کا تصور ابھرا اور دیکھا کہ باغ کے اندر بہت سے بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میز پر ہر طرح کے کھانے لگے ہوئے ہیں۔ ایک پلیٹ میں سبز قسم کی کوئی چیز رکھی ہوئی ہے اور باقی پلیٹوں میں قسم قسم کے کھانے ہیں۔ بزرگ

ان کو دوسری چھوٹی پلیٹوں میں ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد اچانک کوئی چیز میرے سامنے آگئی۔ وہ چیز اتنی روشن تھی کہ اس کی چمک سے میری آنکھیں چند ہی لمحوں میں بند ہو گئیں۔

۲۱۔ ستمبر: آج رات تصور کے دوران میں نے دیکھا کہ میں ایک باغ میں ہوں اچانک ایک آواز آئی "اے میرے بندے!" میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک جگہ بہت زیادہ روشنی تھی۔ پھر دوسری آواز آئی "اے میرے بندے! ہم تھوڑی سی سیکی کا بھی بہت بڑا اجر دیتے ہیں۔ مراقبہ کر اور اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھ" اس کے بعد میں نے دعا کی "یا اللہ! مجھے سب سے بہتر میں کامیابی عطا فرما" اور یہ دعا قبول کر لی گئی۔

ڈوب ڈوب کے ابھرنا

راولپنڈی سے عقیل احمد لکھتے ہیں:-

آپ کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلی مشق شروع کیں تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۸۔ جون: آنکھیں بند کر کے تصور کرنا شروع کیا کہ نور کا ایک دریا ہے جس میں ساری کائنات اور میں خود ڈوبا ہوا ہوں۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر وہ خاموشی نہیں ہوتی۔ کہیں سے نکلے چلنے کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے تو کہیں سے ریڈیو پر مسلسل گانے نشر ہوتے ہیں جو اتنا زیادہ توجہ میں خصل ڈالتے ہیں۔ بہر حال، تھوڑی دیر بعد نور کا تصور قائم ہونا شروع ہو گیا۔ دورانِ مشق جس چیز کا بھی خیال آیا وہ کبھی مکمل اور کبھی نامکمل طور پر نور میں ڈوبی ہوئی دکھائی دی۔ نور کا مکمل تصور قائم نہ ہو سکا۔

۲۲۔ جون : نور کا تصور قائم ہوا اور میں اپنے آپ میں سے نکل کر کھلی فضا میں چلا گیا۔ میں نے نور کے دریا میں غوطے لگانا شروع کر دیے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ محسوس ہونے لگا جیسے میں بھی نور میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اور نور میں ڈھل کر نور بن گیا ہوں۔ ایک بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ ہے کہ اب کام کرنے کو بہت جی چاہتا ہے جب کہ پہلے یہ حال تھا کہ ہر کام کو نہ کرنے اور ٹالتے کے بہانے سوچتا رہتا تھا۔ لیکن اب طرز فکر یہ ہو گئی ہے کہ جب کام کرنا ہے تو کمری ڈالو۔

۲۷۔ جون : سونے کے لئے جب بستر پر لیٹا اور آنکھیں بند کیں تو یوں محسوس ہوا جیسے میں نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا بستر پر لیٹا ہوں۔ رات کو نیند سے بیدار ہوا تو آنکھوں میں مدقسم مدقسم سیا روشنی دکھائی دی۔ آنکھیں کھولیں تو یہ روشنی غائب ہو گئی۔ اب نیند بہت گہری آتی ہے۔

۱۔ ستمبر : آج نور کا تصور زیادہ واضح طور پر قائم ہوا۔ میں نور کے دریا کے اوپر پرواز کرتا رہا۔ نور میں غوطے لگاتا رہا۔ چلتا پھرتا رہا اور ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔ میں نے اپنے آپ کو ان گنت جسموں میں تقسیم ہوتے دیکھا۔

جنت کا باغ

محمد سعد رتانی، شیخوپورہ لکھتے ہیں :-

۲۹۔ اکتوبر : صبح فجر کی نماز کے بعد ٹیلی سیٹی کی پہلی مشق کا آغاز کیا۔ مختلف حالات دل میں آتے رہے۔ پھر دیکھا کہ ایک دریا ہے جس کا پانی ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پھر ایک سمندر نظر آیا جس کی لہریں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہوئی کنارے کی جانب بڑھ

رہی تھیں۔ مجھے خیال آیا یہ تو پانی کا دریا ہے، لیکن مجھے تو نور کے دریا کی تلاش ہے۔ یہ خیال آتے ہی ایک باغ سامنے آگیا۔ اس میں ایک نہر جاری تھی۔ جس کا پانی شیشے کی مانند چمک رہا تھا۔ میں نے اس میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ یہ پانی نہیں، ریت اور پاؤڈر کی طرح کوئی چمک دار چیز ہے۔ پھر کئی خوبصورت مناظر کسی فلم کی طرح نگاہوں کے سامنے آتے رہے۔

۳۰۔ اکتوبر : نماز فجر کے بعد مراقبہ شروع کیا۔ کل کی طرح ندیاں اور دریا سامنے آگئے۔ ان پر دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ سمندر کا پانی بھی دھند کی طرح سفید تھا۔ اور بادلوں کی طرح ادھر ادھر اڑ رہا تھا۔ سماں بہت سہانا تھا۔ میں نے اس سمندر میں غوطے لگانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ مجھے تو یہ تصور قائم کرنا ہے کہ ساری دنیا اور میں خود نور میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اور پھر میں نور کی تلاش میں نکل پڑا۔ دریا اور سمندر دھند کی شکل میں سامنے آتے رہے۔ رات کے مراقبے میں دیکھا کہ ایک پہاڑ ہے جس پر میں کھڑا ہوں۔ نیچے جھانکا تو کہیں سے سفید رنگ کی روشنی آتی ہوئی دکھائی دی۔ ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھا تو سفید اور نیلے رنگ کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے چاہا کہ اس میں غوطہ لگاؤں۔ قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو اُبلتے ہوئے پانی کا چشمہ ہے۔ وہاں میں ایک ایسی وادی میں پہنچ گیا جس کے مکانات سیاہ اور سنہرے پتھروں سے بنے ہوئے تھے۔ یہ مکانات بہت اونچے تھے اور چاند کی روشنی کچھ ایسا سماں پیدا کر رہی تھی کہ مجھے پرستان کا گمان ہونے لگا۔ پھر میں نے ایک دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک نہر ہے جس میں پانی کی بجائے نور ہی نور ہے۔ اس طرح میں نے تین چار دروازے کھولے اور دروازے کے اندر ایک نہر دیکھی جس کا پانی سفید

اور نیلا تھا۔ رنگ بڑا چمک دار تھا۔ تب میں نے اپنے ذہن میں یہ تصور قائم کیا کہ میں خود اور ساری دنیا نور میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ساری دنیا اور خود کو بھی چاند کی چاندنی میں ڈوبا ہوا دیکھا۔ پھر میں نے بلب کی روشنی کی طرح ہریں دیکھیں۔ یہ ہریں شمال سے جنوب کی طرف جا رہی تھیں۔

۳۱۔ اکتوبر: مراقبہ میں دیکھا کہ نور کا رنگ اس طرح کا تھا جیسے چاندنی میں تھوڑی سی نیلاہٹ ملی ہوئی ہو۔ یکایک میں ہوا میں اڑا اور ایک پہاڑی پر جا پہنچا۔ ایک غار میں کھڑے ہو کر اشد کے گھر کی طرف دیکھا۔ وہاں نور ہی نور برس رہا تھا۔ میں اس غار میں سے نکل کر ایک پتھر پر جا بیٹھا۔ وہ پتھر مجھے لے کر ادا پڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمانوں کے اندر سے ہوتا ہوا کسی ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سفید دیواروں پر سیاہ رنگ کے حاشئے بنے ہوئے تھے۔ ان سیاہ حاشیوں میں NEON SIGN کی طرح کوئی عبارت لکھی ہوئی تھی۔ ابھی میں یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ میرے تایا جان نے مجھے آواز دی اور میں نے مراقبہ ختم کر دیا۔ گھڑی دیکھی تو آدھ گھنٹہ گزر چکا تھا۔

رات کو مراقبہ میں شبلی دیزن کی طرح ایک اسکرین نظر آئی اور مختلف خیالات ذہن میں آتے رہے۔ پھر پہاڑیوں اور وادیوں کی سیر کرتا ہوا ایک دروازے کے سامنے جا پہنچا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو خود کو ایک جنت نما باغ میں پامال ہوا چاروں طرف مرکزی لائٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ دیر وہاں ٹھہر کر میں دروازے سے باہر آگیا اور دروازہ بند کر دیا۔

۵۔ نومبر: مراقبہ شروع کیا اور میں نے دیکھا کہ فضا میں اڑ رہا ہوں۔ اڑتے اڑتے ایک پہاڑی پر قیام کیا۔ وہاں سے اڑا تو خلا میں جا پہنچا۔ خلا میں سے زمین اور

چاند کا مشاہدہ کیا۔ معلوم ہوا کہ زمین گول ہے اور چاند کی سطح پر غار اور ٹیلے ہیں۔ پھر میں ایک ستارہ پر اتر گیا۔ پتہ چلا کہ یہ مریخ ہے۔ وہاں سے ایک کرسی پر بیٹھ کر اوپر اٹھنے لگا اور سورج کے بہت قریب پہنچ گیا۔ سورج میرے سر پر تھا اور کہکشاں نظام میرے سامنے اچانک میرے ذہن میں سوال ابھرا کہ سورج کے نزدیک ہوتے ہوئے سورج کی تپش مجھے کیوں محسوس نہیں ہو رہی؟ جواب ملا کہ تم نور کے ایسے حلقے میں ہو جہاں سورج کی تپش اثر انداز نہیں ہوتی۔

آواز خیالات کے دوش پر

امداد علی ملک، آزاد کشمیر۔

۱۲۔ اکتوبر: مراقبہ میں دیکھا ایک شخص فضا کے بسیط پر چل رہا ہے۔ اس کے خیالات میرے دماغ سے ٹکرانے لگے یعنی جو کچھ وہ سوچ رہا تھا میں اسے سننے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کتنی خوب صورت زمین ہے! مجھے آدھ گھنٹہ کے لئے اس پر سوجھنا چاہئے۔ پھر وہ فوراً سو گیا اور آدھ گھنٹہ کے بعد بیدار ہوا۔ لیکن یہ آدھ گھنٹہ میرے لئے چند سیکنڈ کے برابر تھا۔ پھر دیکھا کہ میں نے اس شخص کے خیالات پر قابو پایا ہے۔ وہ جن وہی کام کرتا ہے جو میں سوچتا ہوں۔ میں اپنی توجہ اس کے دماغ پر مرکوز کر کے خیال کے عالم میں چنچا تو وہ پچ پچ چھین مارنے لگا۔

۱۴۔ اکتوبر: دیکھا کہ دو شخص ایک لڑکی کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ ایک چاہتا ہے کہ وہ لڑکی کے ساتھ جائے۔ دوسرے کی بھی یہی خواہش ہے اور وہ ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد انکھول کے سامنے پانچ ستارے آ گئے۔

ستارے غائب ہوئے تو سانپ جیسی کوئی چیز آگئی۔ وہ بالکل سفید تھی۔ پھر دیکھا کہ کہیں دور سے ٹارچ کی روشنی آرہی ہے۔ جب قریب آئی تو دیکھا کہ ٹارچ میرے بھائی کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے وہ ٹارچ میری طرف پھینکی اور میں نے پکڑ لی۔ پھر مجھے محسوس ہوا کہ بھائی جان کئی میل دور بس پر سفر کر رہے ہیں۔ انہوں نے بکے بعد دیگرے دو تین ٹارچیں وہاں سے پھینکیں اور میں نے وہ ٹارچیں اپنے کمرے میں چار پائی پر پکڑ لیں۔

۱۵۔ اکتوبر: تصور فوراً قائم ہو گیا۔ ایک چمک دار روشنی وقفے وقفے سے نظر آنے لگی۔ کچھ وقفے کے بعد ایک عورت سامنے آگئی۔ پہلے اس کا چہرہ نظر نہ آسکا لیکن جب چہرہ دیکھا تو حیران ہو گیا، بڑی بھانک شکل تھی اس کی۔ اور لمبے لمبے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ اس کے بعد دماغ میں روشنی کی تیز لہریں جمع ہوتی رہیں اور میں اپنا جسمانی توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتا رہا کہ میں اس وقت ہوا میں اڑ رہا تھا۔ پھر دیکھا کہ دوبارہ چار پائی پر پہنچ گیا ہوں۔ دور سے کسی عورت کا چہرہ دکھائی دیا۔ قریب جا کر معلوم ہوا کہ وہ بحری جہاز میں سفر کر رہی ہے۔ میں حیران تھا کہ وہ کون ہے۔ اچانک میرے دماغ کی سطح پر کچھ آوازیں پیدا ہوئیں۔ اس عورت کا تعلق انڈونیشیا سے ہے اور یہ پچیس سال سے سفر کر رہی ہے۔ پھر بند آنکھوں سے اندھیرے میں سامنے والی دیوار نظر آئی۔ وہ نور کی تھی اور سامنے والی کھڑکی بھی نور سے پُر دکھائی دی۔ میں گھٹپ اندھیرے میں اپنے سائے کو بھی دیکھ رہا تھا۔

۱۷۔ اکتوبر: ایک بار عبث شخص کو دیکھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص ٹیلی سٹی جانتا ہے۔ میں نے اس شخص کو کوئی جگہ بتائی اور درخواست کی مجھے وہاں پہنچا دو۔ تب اس نے آنکھیں اٹھا کر میری آنکھوں میں دیکھا۔ میری تمام قوتیں ختم ہو گئیں۔ اور میں ہوا میں

غبارے کی طرح پھلکی کی سی تیزی سے دوڑنے لگا۔ میں نے قوت ارادی سے کام لیا اور رکنے کی کوشش کی۔ تھوڑی بہت کامیابی ہوئی اور میں منسزل مقصود پر پہنچ گیا۔

۱۸۔ اکتوبر: دیکھا کہ میں سمت در میں تیر رہا ہوں۔ اور میرے جسم کی پشت کی جانب ایک سفید اور چمک دار ہمولا موجود ہے جس کا فاصلہ تقریباً ایک فٹ ہے۔ میں نورانی زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا ہوں۔ ایک لڑکا میرے پاس آیا اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم نورانی زمین کو خراب کر رہے ہو۔ یہ سن کر وہ مجھ پر ہنسنے لگا۔ اچانک اس کی نشست کی جگہ سے نور ختم ہو گیا اور وہ نیچے گر پڑا۔ گرنے کے دوران اس نے مکرئی کو پکڑ کر غلے کی طرح حرکت دینا شروع کر دی۔ تب میں نے اسے وہاں سے نکالا اور وہ بھاگ گیا۔

ایک بات دیکھنے میں یہ آئی کہ نور میری مرنی کے مطابق سامنے آتا ہے۔ اگر میں ٹھوس نور کا خیال کرتا ہوں تو برف کی طرح ہوتا ہے اور اگر مائع نور دیکھنے کی مشق کرتا ہوں تو پانی کی طرح نظر آتا ہے۔

۱۹۔ نومبر: سانس کی مشق کے دوران دماغ ہلکا محسوس ہوا۔ اور اچانک ایک شخص کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی جس کو میں جانتا ہوں۔ مجھ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ اس نوجوان کے خیالات آواز کی صورت میں مجھ تک پہنچ رہے ہیں۔ میں نے سنا تو وہ ایک لڑکی سے متعلق تھے۔

اگرچہ یہ بات ناممکن نظر آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ٹیلی سٹیجی کی مشقوں کی وجہ سے لوگوں کے خیالات مجھ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایک بار ہمارے گھر کے نزدیک سانپ نکل آیا اور لوگ اسے مارنے لگے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو کر سانپ کو پتھر مارنے

لگا حالانکہ میرے گھر والوں نے مجھے سانپ مارنے سے منع کیا ہوا ہے۔ اتفاق سے میری حرکت کو بھائی صاحب نے دیکھ لیا۔ لیکن اس وقت کچھ نہیں بولے۔ اور گھر کے اندر چلے گئے۔ میں بہت فکر مند ہوا اور گھر آ کر یک سوئی سے سوچنے لگا کہ نہ جانے بھائی صاحب مجھے کیا کہیں گے۔ یکایک میرے ذہن نے بھائی کی غصیلی آواز سنی: "کہاں تھے تم؟" فوراً ہی ذہن نے اس کا جواب دیا: "چائے پی رہا تھا۔" بھائی صاحب کی آواز گونجی: "اس سے پہلے کہاں تھے؟" "کھانا کھا رہا تھا۔" بھائی صاحب نے غصہ بھری آواز میں پوچھا: "اور اس سے پہلے کہاں تھے؟" اس کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بھائی صاحب نے کہا: "تم کو شرم نہیں آتی؟ کتنی دفعہ منع کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔" اس طرح ان کی ڈانٹ کی آواز آتی رہی۔

یہاں پر یہ مکالمہ آرائی ختم ہوئی ہی تھی کہ بھائی صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور جس طرح میں نے اپنے ذہن میں آواز محسوس کی تھی، اسی انداز اور ان ہی الفاظ میں کہا: "کہاں تھے تم؟"

میری زبان سے فوراً نکلا: "چائے پی رہا تھا۔"

اور پھر لفظ بہ لفظ انہوں نے مجھ سے وہی سوالات کئے اور ڈانٹا جو میں پہلے ہی اپنے ذہن میں سن چکا تھا۔

ایک اور واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کہتا، میرے دماغ میں یہ خیال تیزی سے پیدا ہوا کہ یہ مجھ سے چاقو مانگ رہا ہے۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے مجھ سے کہا: "مجھے چاقو کی ضرورت ہے۔ آپ مجھے چاقو دے دیں۔"

دوسری اہم بات یہ ہے کہ میرے خیال میں اتنی قوت پیدا ہو گئی ہے کہ جو کچھ میں ارادہ کرتا ہوں وہ فوراً پورا ہو جاتا ہے۔ ایک روز میرے دو چھوٹے بھائیوں میں لڑائی ہو گئی۔ اور بڑے نے چھوٹے کو تھپڑ مار دیا۔ کچھ دیر تک دونوں ناراض رہے۔ پھر ہنسی خوشی کھیلنے لگے۔ میں نے ارادہ کیا کہ چھوٹے بھائی کو چاہیے کہ بدلہ کے طور پر بڑے بھائی کو تھپڑ مارے۔ ابھی میں نے یہ سوچا ہی تھا کہ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو ایک بھر پور تھپڑ رسید کر دیا۔

ادھر میں نے جو مشاہدات اور تجربات بیان کئے ہیں یہ ان بے شمار واقعات میں سے چند ہیں جو آج کل روزانہ میرے ساتھ پیش آ رہے ہیں۔



ٹیلی پیٹھی اور سانس کی مشقیں

شاہد محمود، لاہور _____ میں نے پراسرار علوم کے موضوع پر مشرقی اور مغربی تقریباً تمام مصنفین کی کتابیں پڑھی ہیں۔ ان تمام مصنفین نے شمع مینی، آئینہ مینی اور دائرہ مینی کے متعلق لکھا ہے۔ اور ان مشقوں سے جو نتائج مرتب ہوئے ہیں ان نتائج کے بارے میں بہت سے لوگوں کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ طبیعیات اور نفسیات کی روشنی میں ان دانشوروں نے علمی بحث بھی کی ہے۔ ٹیلی پیٹھی کے بارے میں جو تصوری آپ نے بیان کی ہے وہ بالکل منفرد اور الگ ہے۔ میری دانست میں کسی بھی مصنف نے ٹیلی پیٹھی کے ضمن میں سانس کی مشقوں اور نور کے سمندر کا تذکرہ نہیں کیا۔ جہاں تک ذہنی سکون کا تعلق ہے وہ اس علم کو سیکھنے میں مستعد امر ہے جو شمع مینی اور دائرہ مینی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ کیا آپ اپنے قارئین کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ ٹیلی پیٹھی میں سانس کی مشق اور مراقبہ نور کی اہمیت کیا ہے؟

کائنات بہ شمول انسان ہر لمحہ اور ہر آن متحرک ہے۔ کائنات کی حرکت سے قطع نظر انسان اور اس مخلوق کی زندگی کا جو ذمی روح بھی جاتی ہے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ زندگی کا قیام سانس کے ادھر ہے۔ جب تک سانس کی آمد و شد جاری ہے، زندگی رواں دواں ہے۔ اور جب سانس میں تعطل واقع ہو جاتا ہے تو

منظاہراتی اعتبار سے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ سانس کے رُخ متعین ہیں۔ سانس اندر جاتا ہے اور باہر آتا ہے۔

روحانی نقطہ نظر سے سانس کا اندر جانا انسان کو اس کی رُوح یا INNER سے قریب کر دیتا ہے اور سانس کا باہر آنا انسان کو اس کی رُوح یا INNER سے غارنی طور پر دور کر دیتا ہے۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ انسان روشنیوں سے مرکب ہے اور اس روشنی کی بنیاد (BASE) اللہ کا نور ہے۔ جس طرح سانس کی آمد و رفت انسان کی زندگی ہے اسی طرح خیالات کو بھی ہم زندگی کہتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر سانس خیالات کی زندگی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اب اگر ہم زندگی کا تجزیہ کریں تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ جس طرح سانس دور رُخ پر قائم ہیں، بالکل اسی طرح خیالات بھی دور رُخ پر سفر کرتے ہیں۔ خیالات کا ایک رُخ وہ ہے جس کا نام اسفل رکھا گیا ہے اور دوسرا رُخ وہ ہے جو ہمیں اسفل سے دور کر کے اعلیٰ مقام میں لے جاتا ہے۔ عرف عام میں اس کو خیالات کی پاکیزگی یا خیالات میں پچیدگی اور تاریکی کہا جاتا ہے۔ خیالات میں پاکیزگی دراصل ایک طرز فکر ہے۔ طرز فکر اگر پاکیزہ ہے تو انسان سکون اور راحت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ سکون اور راحت انسان کے اندر ذہنی یکسوئی پیدا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس تاریک طرز فکر انسان کو حزن و ملال اور رنج و آلام سے آشنا کرتی ہے۔ حزن و ملال ذہنی یکسوئی ختم کر کے انسان کو دماغی انتشار میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسی بات کو ہم دوسری طرح بیان کرتے ہیں۔ تمام آسمانی صحائف میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی اصل خلیق ازل میں ہوئی ہے۔ اور پھر انسان (آدمی) ناسرمانی کا مرکب ہو کر اس دنیا میں آیا ہے، ایسی دنیا میں جہاں ازل غیب ہے لیکن غیب سے اس کا

ایک مخفی رشتہ قائم ہے۔ ازل میں موجودگی کا تعلق انسان کی روح سے ہے اور دنیاوی وجود ایسے جو اس میں جو انسان کو روح سے دور کر دیتے ہیں۔ جب ہم سانس اندر لیتے ہیں تو ازل سے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور جب سانس باہر نکالتے ہیں تو خود کو ازل سے دور محسوس کرتے ہیں۔ یعنی سانس کا باہر آنا اس زندگی اور ازل کی زندگی کے درمیان ایک پردہ ہے۔ جب ہم سانس کو اندر روکتے ہیں تو ہمارا رشتہ ازل سے قائم ہو جاتا ہے۔ ٹیلی پتھی کے اسباق میں سانس کی مشق کو اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ انسان اپنی روح سے قریب ہو جائے۔ مادیاتی علوم میں اس وقت تک صحیح معنوں میں کامیابی ممکن نہیں ہے جب تک انسان اپنی روح سے قریب نہ ہو۔

عام طور پر ٹیلی پتھی سیکھنے والے لوگوں کی طرز پر یہ ہوتی ہے کہ وہ اس علم سے دنیاوی فائدے اٹھائیں۔ اور اپنے معمول کو متاثر کر کے اس سے فائدہ حاصل کریں۔ چند حضرات اس علم کو اس لئے بھی سیکھتے ہیں کہ وہ اس سے اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنے صحت مند خیالات کسی مریض کے دماغ میں منتقل کر کے اس مریض کو بیماریوں سے نجات دلا دیں۔ اس علم کو سیکھنے والوں کی جو بھی طرز فکر ہوتی ہے ان کا ذہن اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔

ذہنی یک سوئی کے لئے مراقبہ نور کی مشق ہم نے اس لئے تجویز کی ہے کہ ذہنی سکون کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر طرز فکر بھی پاکیزہ ہو جائے۔ پاکیزہ طرز فکر میں انسان اپنی روح سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اندر ایسی فراست پیدا ہوتی ہے جس کو تصوف نے فکر سلیم کہا ہے۔

ہم نے ٹیلی پتھی کی پہلی مشق کے دوران چند طلبہ کی کیفیات قلم بند کی ہیں۔ آپ

نے پڑھا ہے کہ ان حضرات کی طرز فکر خود بخود انوار کی طرف منتقل ہو گئی ہے اور جب کوئی بندہ فی الواقع انوار سے آشنا ہو جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اس کی اپنی زندگی سنو جاتی ہے بلکہ وہ اللہ کی مخلوق کے لئے بھی تکلیفوں سے نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے قارئین انشاء اللہ ذہنی یکسوئی کے ساتھ فکر سلیم حاصل کر لیں گے اور اس فکر سلیم کے ساتھ ٹیلی پتھی سیکھ کر دماغی کش مکش، ذہنی انتشار اور مصائب و آلام کی زندگی سے نجات حاصل کر کے اللہ کی مخلوق کی خدمت کا ذریعہ بنیں گے۔



ٹیلی پیٹھی کا دوسرا سبق

پہلے سبق میں یہ بات پوری طرح واضح کر دی گئی ہے کہ ٹیلی پیٹھی سے کھینچنے کے لئے
فردری ہے کہ منتشر خیالات سے نجات حاصل کر کے صرف ایک خیال کو اپنا ہدف بنایا
جائے۔ ذہنی یکسوئی اور مرکزیت حاصل کرنے کے لئے دوسرا سبق یہ ہے۔

دہانے ہاتھ کے انگلیوں سے سیدھے نتھنے کو بند کر لیں اور بائیں نتھنے سے پانچ
سیکنڈ تک سانس کھینچ کر سیدھا نتھنا چھٹکلیا سے بند کر لیں۔ اور دس سیکنڈ تک سانس
روک لیں۔ دس سیکنڈ کے بعد رائے نتھنے سے پانچ سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ ایک
چکر ہو گیا۔ یعنی پانچ سیکنڈ سانس لینا، دس سیکنڈ روکنا اور پانچ سیکنڈ باہر نکالنا ہے۔
اس طرح دس مرتبہ اس عمل کو دہرائیں۔ سانس کی یہ مشق صبح سویرے نکلنے سے پہلے خلوت
معدہ اور رات کو سونے سے پہلے خالی پیٹ کرنا چاہیے۔ سانس کی اس مشق کے بعد
آنکھیں بند کر لیں اور یہ تصور کریں کہ آسمان پر نیلے رنگ کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور
گھپ کے اوپر نور کا بارش ہو رہی ہے۔ شروع شروع میں اس مراقبہ کے دوران شعور
کی مزاحمت آتی زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ دماغ بوجھل اور مایوس ہوتے لگتا ہے۔ دماغ
کا مایوس ہونا دراصل شق کی کامیابی کی طرف اشارہ ہے۔ ابتدائی چند دنوں میں بالخصوص
بالکل قائم نہیں ہوتا یا صرف آسمان اور بادل کا تصور دماغ کی سطح پر نمودار ہوتا ہے۔

جب اس تصور میں گہرائی واقع ہو جاتی ہے تو پہلے سر کے اوپر بارش کے قطرے گرنے کا
احساس ہوتا ہے۔ تصور اور زیادہ گہرا ہو جاتا ہے تو فی الواقع بارش ہوتی ہوئی نظر آتی
ہے۔ اور جسم پر اس نورانی بارش کی بڑی بڑی بوندوں کا وہی اثر مرتب ہوتا ہے جو پانی
کی بارش سے ہوتا ہے۔ یعنی نورانی بارش کی بوندیں گرنے سے جسم پر چوٹ پڑتی ہے اور پھر
پورے ماحول پر برکھا رت کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ جب بند آنکھوں سے بارش کا تصور
قائم ہو جائے اور جسم پر بوندوں کی چوٹ محسوس ہونے لگے تو اس مشق کو کھلی آنکھوں سے
کیا جائے۔ اور تیسری آنکھ سے یہ دیکھا جائے کہ ہر طرف نور کی بارش ہو رہی ہے اور
پورا ماحول اس نورانی بارش میں ڈوبا ہوا ہے۔ جب یہ تصور پورا ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ
اس مشق کی تکمیل ہو گئی ہے۔

امان اللہ بیچائی لاٹیری

فلپٹ نمبر DS/3-4 بلاک
D ہاؤسنگ کمپلکس بورڈ
لاہور اتھارٹی کراچی 7806



فکرِ سلیم

جاوید اختر، لاہور

سوال: آپ نے خیالات کے دو رخ متعین کئے ہیں۔ ایک، اسفل، دوسرا اعلیٰ۔ اعلیٰ خیالات کو آپ نے فکرِ سلیم کا نام دیا ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنا فکرِ سلیم ہے۔ اور اسلام میں ٹیلی پیٹھی کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ٹیلی پیٹھی دراصل ان علوم میں سے ایک علم ہے جو یورپ کے سائنس دانوں نے دوسرے مادیاتی علوم سے انھیں کیا ہے۔ یہ بہت زیادہ پریشان کن بات ہے کہ آپ نے اسلام میں ٹیلی پیٹھی کی پیوند کاری کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ٹیلی پیٹھی ایک ایسا علم بن گیا ہے جس کی اہمیت سے کسی کو انکار کی مجال نہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ٹیلی پیٹھی دیکھنے والا کوئی نرسو فکرِ سلیم بھی رکھتا ہو۔ یعنی وہ مسلمان ہو۔ کیا آپ کسی ایکٹے ایسے واقعہ کی نشان دہی کر سکتے ہیں جو ہمارے اسلاف کے ساتھ پیش آیا ہو اور وہ ٹیلی پیٹھی کے علم کے مطابق رکھتا ہو؟ آپ سے نہایت دردمندانہ درخواست ہے کہ آپ اس علم کو اس کی اصلی شکل و صورت اور اس کی حقیقی ہیئت میں پیش کریں تاکہ اسلام اور ٹیلی پیٹھی میں امتیاز برقرار رہے۔

جواب: جہاں تک فکرِ سلیم کا تعلق ہے اس کو کسی ایک قوم یا کسی ایک گروہ کی میراث

قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فکرِ سلیم دراصل انسانی استعداد کا دوسرا نام ہے۔ اگر کسی غیر مسلم میں انسانی قدریں موجود ہیں تو اس کو ہر حال انسان کہا جائے گا۔ اور اگر کسی مسلمان میں انسانی قدریں نہیں ہیں تو وہ ہرگز انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پارہ ۶، رکوع ۱۳، سورہ المائدہ کی آیت ۶۹ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

ابتنہ جو مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور یومِ آخرت پر اور عمل کرے نیک ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غم کھاویں (ترجمہ شاہ عبدالقادر)۔

آیت مقدسہ میں یہ بات پوری طرح واضح کر دی گئی ہے کہ کسی قوم یا کسی فرد کا نیک عمل ضائع نہیں کیا جاتا۔ اس نیک عمل کا اجر اللہ تعالیٰ اُسے ضرور عطا کرتے ہیں بشرط یہ ہے کہ اس کا عمل خالصتاً اللہ کے لئے ہو۔ ایسا عمل جو اللہ کے لئے کیا جائے، فکرِ سلیم کے دائرے میں آتا ہے۔ ہم نے فکرِ سلیم کو ایک ایسی طرزِ فکر بتایا ہے جو انسان کو اس کی رُوح سے قریب کرتی ہے۔ رُوح سے قریب ہونا اور رُوح کا عرفان حاصل ہونا ہی دراصل انسانیت ہے۔ تمام آسمانی صحائف نورِ انسانی کو اسی طرزِ فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ اس سوال کا جواب کہ اسلام میں ٹیلی پیٹھی کا وجود نہیں ہے، یہ ہے کہ ٹیلی پیٹھی

دراصل نام ہی ایسے علم کا ہے جس کے ذریعے ایک بندہ اللہ کی مخلوق کے دلوں میں اپنے خیالات اور طرزِ فکر منتقل کرتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشن یہ رہا ہے کہ وہ اپنی اس سرورِ فکر کو جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبورِ حاس و دلیعت ہوئی ہے، اللہ کی مخلوق کو اس سے فیض یاب کریں۔ اور ان کو شیطنیت سے مامون اور باغیانہ طرزِ زندگی سے نجات دلائیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ترغیب کی بجائے اس علم کو ٹیلی پیٹھی

کیا ہمارے خیالات کا تبادلہ انسانوں کی طرح جنات، فرشتوں اور حیوانات سے بھی ہوتا ہے، نیز کیا ہم اپنے تفکر سے عالم اسباب کے علاوہ دوسرے نظام ہائے شمس میں بھی تفرق کر سکتے ہیں اور کیا روشنیوں (خیالات) اپنی ایک الگ طبیعت، مابینت اور رجحانات رکھتی ہیں؟

جواب: بابا تاج الدین ناگپوری مرت خصوصی مسائل ہی میں نہیں بلکہ عام حالات میں بھی گفتگو کے اندر ایسے مرکزی نقطے بیان کر جاتے تھے جو براہ راست قانون قدرت کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہیں۔ بعض اوقات اشاروں اشاروں ہی میں وہ ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس میں کرامتوں کی علمی توجیہ ہوتی اور سننے والوں کی آنکھوں کے سامنے یکسا رنگ کرامت کے اصولوں کا نقشہ اُجھاتا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے ذہن سے تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشنی کی ہر منقش ہو رہی ہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور حاضرین من و عن ہر وہ بات اپنے ذہن میں سمجھتے اور محسوس کرتے جا رہے ہیں جو نانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں اس وقت گشت کر رہی ہے۔ بغیر توجہ دیئے بھی ان کی نفس راوی توجہ لوگوں کے اوپر عمل کرتی رہتی تھی۔ بعض لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے بابا صاحب کے اس طرز ذہن سے بہت زیادہ فیضان حاصل کیا ہے۔ یہ بات تو بالکل ہی عام تھی کہ چند آدمیوں کے ذہن میں کوئی بات آئی اور نانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دے دیا۔

انسان، فرشتے اور جنات | مرہٹہ راجہ رگھو راؤ ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور کوئی درخواست کرتا تو اس طرح جیسے دیوتاؤں کے حضور میں۔ یہاں وہ چند باتیں پیش کی جاتی ہیں جو سب سے موجودگی راجہ اور نانا رحمۃ اللہ

علیہ میں ہوا کرتی تھیں۔ ان اوقات میں کوئی اور صاحب بھی سوال کر لیا کرتے تھے اور پوری مجلس جواب سے مستفیض ہوتی۔ ایک مرتبہ مہاراجہ نے سوال کیا: "بابا صاحب! ایسی مخلوق جو نظر نہیں آتی مثلاً فرشتے، جنات، وغیرہ متواتر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جتنی آسمانی کتابیں ہیں ان میں اس قسم کی مخلوق کے تذکرے ملتے ہیں۔ ہر مذہب میں بدر و عوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کہا گیا ہے لیکن عقلی اور علمی توجیہات نہ ہونے سے ذی فہم انسانوں کو سوچنا پڑتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے۔ تجربات جو کچھ بان دو ہیں وہ انفس راوی ہیں، اجتماعی نہیں۔ آپ اس مسئلہ پر ارشاد فرمائیں۔

نانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں جو کچھ فرمایا وہ فقط تبصرہ نہیں بلکہ میرے اندازے میں ایسے اہامات کا مجموعہ ہے، قدرت نے ان کی ذات کو جن کام کرنا یا تھا۔ صاحب فراست انسانوں کے لئے یہ موقوفات حد درجہ محل تفکر ہیں۔ ان کے جواب سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ قدرت اور ان کے ذہن کی سطح قریب قریب ایک ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مسئلہ کی وضاحت جن خیالات کے ذریعے کی گئی ہے وہ قدرت کے رازوں میں کس طرح سمائے ہوئے ہیں۔ جس وقت یہ سوال کیا گیا نانا تاج الدین لپٹے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہ اوپر تھی۔ فرمانے لگے تباں رگھو راؤ! ہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں ستاروں کی مجلس کو دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے، کہتے ہیں یہی آتا ہے کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں، ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں۔ لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ و پنجسم کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہنے میں قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا

پھر بھی سمجھتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ جب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو یہ قطعاً نہیں سوچتے کہ اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا نہیں۔ فرمایا جو کچھ میں نے کہا اُسے سمجھو، پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک معسوم ہے۔ انسان کچھ نہ جانتے کے باوجود اس کا یقین رکھتا ہے کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہ چیزیں دور پر سے کی ہیں۔ جو چیزیں ہر وقت انسان کے تجربے میں ہیں ان پر بھی ایک نظر ڈالتے جاؤ۔ دن طلوع ہوتا ہے۔ دن کا طلوع ہونا کیا شے ہے ہمیں نہیں معلوم۔ طلوع ہونے کا مطلب کیا ہے ہم نہیں جانتے۔ دن رات کیا ہیں ان کے بارے میں اتنی بات کہ دی جاتی ہے کہ یہ دن ہے اور اس کے بعد رات آتی ہے۔ نوع انسانی کا یہی تجربہ ہے۔

میاں رکھو راؤ! ذرا سوچو کیا سنجیدہ طبیعت انسان اس جواب پر مطمئن ہو جائے گا؟ دن رات فرشتے نہیں ہیں، جنات نہیں ہیں۔ پھر بھی وہ مظاہر میں جن سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تم اتنا کہہ سکتے ہو کہ دن رات کو نگاہ دیکھتی ہے۔ اس نے قابل یقین ہے۔ لیکن یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ نگاہ کے ساتھ فکر بھی کام کرتی ہے۔ اگر نگاہ کے ساتھ فکر کام نہ کرے تو زبان نگاہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ نگاہ اور فکر کا عمل ظاہر ہے۔ دراصل سارے کا سارا عمل تفکر ہے۔ نگاہ محض ایک گونگا بیوی ہے۔ فکر ہی کے ذریعے تجربات عمل میں آتے ہیں۔ تم نگاہ کو تمام حواس پر قیاس کر لو۔ سب کے سب گونگے ابھرے اور اندھے ہیں۔ تفکر ہی حواس کو سماعت اور بصارت دیتا ہے۔ سمجھایا جاتا ہے کہ حواس تفکر سے الگ کوئی چیز ہیں۔ حالانکہ تفکر سے الگ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ انسان محض تفکر ہے۔ فرشتہ محض تفکر ہے۔ جن محض تفکر ہے۔ علیٰ هذا القیاس ہر ذی ہوش تفکر کر رہا ہے۔ فرمایا کہ اس گفتگو میں ایک ایسا مقام آ جاتا ہے جہاں کائنات کے کئی راز منکشف

ہو جاتے ہیں۔ غور سے سنو۔ ہمارے تفکر میں بہت سی چیزیں ابھرتی رہتی ہیں۔ دراصل وہ باہر سے آتی ہیں۔ انسان کے علاوہ کائنات میں اور جتنے تفکر ہیں جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے، فرشتے اور جنات مان لیں۔ انسان کا تفکر بالکل ایسی طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح انسان خود اپنے فکر سے متاثر ہوتا ہے۔ قدر کا چلن یہ ہے کہ وہ لامتناہی تفکر سے تنہا ہی تفکر کو فیضان پہنچاتی رہتی ہے۔ پوری کائنات میں اگر قدرت کا فیضان جاری نہ ہو تو کائنات کے افراد کا درمیانی رشتہ کٹ جائے۔ ایک فکر کا دوسرے فکر کو متاثر کرنا بھی قدرت کے اس طرز عمل کا ایک جزو ہے۔ انسان پایہ گل ہے، جنات پایہ بیہولی ہیں۔ فرشتے پایہ نور۔ یہ فکر تین قسم کے ہیں اور تینوں کائنات میں۔ اگر یہ تینوں مربوط نہ رہیں اور ایک فکر کی ہسریں دوسرے فکر کو نہ ملیں تو ربط ٹوٹ جائے گا اور کائنات منہدم ہو جائے گی۔

ثبوت یہ ہے کہ ہمارا تفکر بیہولی اور بیہولی قسم کے تمام حصوں سے فکری طور پر روشناس ہے۔ ساتھ ہی ہمارا تفکر نور اور نور کی ہر قسم سے بھی فکری طور پر روشناس ہے۔ حالانکہ ہمارے اپنے فکر کے تجربات پایہ گل ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ بیہولی اور نور کے تجربات حتمی تفکر سے ملے ہیں۔

عام زبان میں تفکر کو آنا کا نام دیا جاتا ہے۔ اور آنا یا تفکر ایسی کیفیات کا مجموعہ ہوتا ہے جن کو غموگی طور پر فرد کہتے ہیں۔ اس طرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور ذرے بھی۔ ہمارے شعور میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ تفکر کے ذریعے ستاروں ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادُل خیال ہوتا رہتا ہے۔ ان کی انابیعنی تفکر کی ہسریں ہمیں بہت کچھ دیتی ہیں۔ اور ہم سے بہت کچھ لیتی ہیں۔ تمام کائنات اس وضع کے

تبادلہ خیال کا ایک خاندان ہے۔ مخلوق میں فرشتے اور جنات ہمارے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ تفکر کے اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں اور تبادلہ خیال کے لحاظ ہم سے زیادہ مانوس ہیں۔

ناتانج الدین اس وقت ستاروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ کاشانی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ پے درپے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے لاشمار تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں توہمسم تحلیل تصور اور تفکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ سمجھایہ جاتا ہے کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرزیں ایک نقطہ مشترک رکھتی ہیں۔ وہی نقطہ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نور اور سرور کے شعور پر منحصر ہے۔ شعور جو اسلوب اپنی آنا کی مقدار کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اس ہی اسلوب کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ تبادلہ ضروری ہے کہ تین نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ مقررہ پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے کہکشاںی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں یہ تینوں نوعیں تخلیق کار بن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی ہر مہین مسافت طے کر کے معین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائناتی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

ایک انسان ہزاروں جسم میں یہ کہ چکا ہوں کہ تفکر، آنا اور شخص ایک ہی جسم ہے۔ الفاظ کی وجہ سے ان میں معانی کا منسرق نہیں کر سکتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر آنا، تفکر اور شخص ہیں کیا؟ یہ وہ سستی ہیں جو لاشمار کیفیات کی شکلوں اور سراپا سے جی ہیں۔ مثلاً بصارت، سماعت، عظم، محبت، رحم، ایثار، رفقار، پرواز وغیرہ۔ ان میں ہر ایک کیفیت ایک شکل اور ایک سراپا رکھتی ہے۔ قدرت نے ایسے بے حساب سراپائے کر ایک جگہ اس طرح جمع کر دیے ہیں کہ الگ الگ پرت ہونے کے باوجود ایک جان ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کے ہزاروں جسم ہوتے ہیں۔ علیٰ غلظ لقیاس جنات اور فرشتوں کی بھی یہی ساخت ہے۔ یہ تینوں ساخت اس لئے مخصوص ہیں کہ ان میں کیفیات کے پرت دوسری انواع سے زیادہ ہیں۔

انسان لاشمار ستاروں میں آباد ہیں۔ اور ان کی فستیں کتنی ہیں اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔ یہی بات جنات اور فرشتے کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔ انسان ہوں، جنات یا فرشتے، ان کے سراپا کا ہر فرد ایک پائندہ کیفیت ہے۔ کسی پرت کی زندگی چلی ہوتی ہے یا خفی۔ جب پرت کی حرکت چلی ہوتی ہے تو شعور میں آجاتی ہے خفی ہوتی ہے تو لاشعور میں رہتی ہے۔ چلی حرکت کے نتائج کو انسان اختراع و ایجاد کہتا ہے لیکن خفی حرکت کے نتائج شعور میں نہیں آتے۔ حالانکہ وہ زیادہ عظیم الشان اور مسلسل ہوتے ہیں۔ یہاں یہ راز غور طلب ہے کہ ساری کائنات خفی حرکت کے نتیجے میں رونما ہونے والے مظاہر سے بھری پڑی ہے۔ البتہ یہ مظاہر محض انسانی لاشعور کی پیداوار نہیں ہیں۔ انسان کا خفی کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل ربط قائم نہیں رکھ سکا۔ اس کمزوری کی وجہ انسان کے اپنے خصائل ہیں۔ اس نے اپنے

کس مقصد کے لئے پایہ گل کیا ہے، یہ بات اب تک نوع انسانی کے شعور سے ماورا ہے۔ کائنات میں جو تفکر کام کر رہا ہے اس کا تقاضا کوئی مخلوق پورا نہیں کر سکی جو زمانی، مکانی فاصلوں کی گرفت میں بے دست و پا ہو۔

کائنات زمانی مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے ان کی چھوٹی بڑی مخلوط مسطوروں سے بنتے ہیں۔ ان لوگوں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تغیر کہلاتا ہے۔ دراصل زمان اور مکان دونوں اسی سر کی صورتیں ہیں۔ دھان جس کے بارے میں دنیا کم جانتی ہے اس مخلوط کا نتیجہ اور مظاہر کی اصل ہے۔ یہاں دھان سے مراد دھواں نہیں ہے۔ دھواں نظر آتا ہے اور دھان ایسا دھواں ہے جو نظر نہیں آتا۔ انسان ثبت دھان کی اور جنات منعی دھان کی پیداوار ہیں۔ رہا فرشتہ، ان دونوں کے مخلص سے بنا ہے۔ عالمین کے یہ تین اجزائے ترکیبی غیب و شہود کے بانی ہیں۔ ان کے بغیر کائنات کے گوشے مکانی متوجہ سے خالی رہتے ہیں۔ نتیجہ میں ہمارا شعور اور لاشعور حیات سے دور نابود میں گم ہو جاتا ہے۔ ان تین نوعوں کے درمیان عجیب غریب کشمکش برسر عمل ہے۔ ثبت دھان کی ایک کیفیت کا نام مٹھاس ہے۔ اس کیفیت کی کثرت و انسانی خون میں گردش کرتی رہتی ہے۔ دھان کی منعی کیفیت نکلیں ہے۔ اس کیفیت کی کثرت مقدار جنات میں پائی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں کیفیتوں سے فرشتے بنے ہیں۔ اگر ایک انسان میں ثبت کیفیت کم ہو جائے اور منعی بڑھ جائے تو انسان میں جنات کی تمام صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اور وہ جنات کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔ اگر کسی جن میں ثبت کیفیت بڑھ جائے تو اس میں ثقل و زن پیدا ہو جاتا ہے۔ فرشتہ پر بھی یہی قانون نافذ ہے۔ اگر ثبت اور منعی کیفیات معین سطح سے اوپر آجائیں تو

ثبت کے زور پر وہ انسانی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے اور منعی کے زور پر جنات کی۔ بالکل اسی طرح اگر انسان میں ثبت اور منعی کیفیات معین سطح سے کم ہو جائیں تو اس سے فرشتوں کے اعمال صادر ہونے لگیں گے۔

طریق کار بہت آسان ہے۔ مٹھاس اور نمک کی معین مقداریں کم کر کے فرشتوں کی طرح زمانی مکانی فاصلوں سے وقتی طور پر آزاد ہو سکتے ہیں۔ محض مٹھاس کی مقدار کم کر کے جنات کی طرح زمانی مکانی فاصلے کم کر سکتے ہیں۔ لیکن ان تدبیروں پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی روحانی انسان کی رہنمائی اشد ضروری ہے۔

شیر کی عقیدت ایک دن واک شریف کے جنگل پہاڑی بٹے پر چند لوگوں کے ہمراہ چڑھتے چلے گئے۔ نانا رحمۃ اللہ علیہ سکر کر کہنے لگے "ہاں میں کو شیر کا ڈر ہے۔ وہ چلا جائے میں تو یہاں فوراً اسی دیر آرام کروں گا۔ خیال ہے کہ شیر ضرور آئے گا۔ جتنی دیر قیام کے اس کی مرضی۔ تم لوگ خواہ مخواہ انتظار میں مبتلا نہ رہو۔ جاؤ، کھاؤ پیو اور مرزہ کرو۔"

بعض لوگ ادا دھڑچھپ گئے اور زیادہ چلے گئے۔ میں نے حیات خاں سے کہا کیا ارادہ ہے؟ پہلے تو حیات خاں سوچا رہا۔ پھر زیر لب سکر کر خاموش ہو گیا تھوڑی دیر بعد میں نے پھر سوال کیا "چلنا ہے یا تماشا دیکھنا ہے؟"

"بھلا بابا صاحب کو چھوڑنے کے میں کہاں جاؤں گا۔ حیات خاں بولا۔ گرمی کا موسم تھا۔ درختوں کا سایہ اور ٹھنڈی ہوا خما کے طوفان اٹھا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بہت کر میں ایک گھنی جھاڑی کے نیچے بیٹ گیا۔ چند قدم کے فاصلے پر حیات خاں اس طرح بیٹھ گیا کہ نانا تاج الدین کو کن انکھوں سے دیکھتا رہے۔ اب وہ دبیز گھاس پر بیٹ چکے تھے۔ انکھیں بند تھیں۔ فضا میں بالکل

ستانا چھایا ہوا تھا۔ چند منٹ گزرے ہی تھے کہ جنگل بھیانک محسوس ہونے لگا۔ آدھ گھنٹہ، پھر ایک گھنٹہ۔ اس کے بعد بھی کچھ وقفہ ایسے گزر گیا جیسے شدید انتظار ہو۔ یہ انتظار کسی سادھو، کسی جوگی، کسی دلی، کسی انسان کا نہیں تھا بلکہ ایک درندہ کا تھا۔ کم از کم میرے ذہن میں قدم بقدم حرکت کر رہا تھا۔ یکایک ناناراجۃ اللہ علیہ کی طرف نگاہیں متوجہ ہو گئیں۔ ان کے پیروں کی طرف ایک طویل انقامت شیر ڈھلان سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ بڑی آہستہ خرامی سے، بڑے ادب کے ساتھ۔

شیر نسیم دھانکوں سے نانانا نوح الدین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ذرا دیر میں وہ پیروں کے بالکل قریب آگیا۔

نانا گہری بیند میں بے خبر تھے۔ شیر زبان سے تلوے چھو رہا تھا۔ چند منٹ بعد اس کی آنکھیں متانہ داری سے بند ہو گئیں۔ سر زمین پر رکھ دیا۔

نانانا نوح الدین ابھی تک سو رہے تھے۔

شیر نے اب زیادہ جرات کر کے تلوے چاٹنا شروع کر دیئے اس حرکت سے نانا کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ شیر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

کہنے لگے "تو آگیا۔ اب بڑی صحت بالکل ٹھیک ہے۔ میں تجھے نذرست دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اچھا اب جاؤ۔"

شیر نے بڑی ممنونیت سے دم ہلائی اور چلا گیا۔ میں نے ان واقعات پر بہت غور کیا۔ یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ شیر پہلے کبھی ان کے پاس آیا تھا۔ مجھ کو اس امر کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ نانا اور شیر پہلے سے ذہنی طور پر ایک دوسرے سے روشناس تھے۔ اور روشناسی کا طریقہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ انا کی جو ہر نانا اور شیر کے درمیان رد و بدل

ہوتی تھیں وہ آپس کی اطلاعات کا باعث بنتی تھیں۔ عارفین میں کشف کی عام روش یہی ہوتی ہے۔ لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جانوروں میں بھی کشف اسی طرح ہوتا ہے کشف کے معاملے میں انسان اور دوسری مخلوق یکساں ہے۔

لہروں میں رد و بدل کا قانون یہ قانون بہت فکر سے ذہن نشین کرنا چاہئے

کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے رہتے ہیں ان میں بہت زیادہ ہمارے معاملات سے غیر متعلق ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق قریب اور دور کی ایسی مخلوق سے ہوتا ہے جو کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہو۔ اس مخلوق کے تصورات لہروں کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ جب ہم ان تصورات کا جوڑ اپنی زندگی سے ملاتے ہیں تو ہزار کوشش کے باوجود ناکام رہ جاتے ہیں۔ انا کی جن لہروں کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے ان کے بارے میں بھی چند باتیں فکر طلب ہیں۔ سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلے کو منقطع کر دے۔ البتہ انا کی لہریں لاتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر بول کہہ سکتے ہیں "ان لہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔" روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں انا کی لہریں ان ہی فاصلوں کو بچا لے خود موجود نہیں جانتیں۔

اسانوں کے درمیان ابتداء سے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی لہریں جن کے معنی معین کر بیٹھے جاتے ہیں سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ ہی تبادلی کی نقل ہے جو انا کی لہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونا گویا اپنے ہونٹوں کی خفیف سی جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے

ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقے کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی انا کی ہر کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آنے سامنے کے درختوں میں نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنگڑوں، سمندری مٹی کے ذروں میں سن جن اسی طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ (تذکرۃ حاج الدین بابا تصنیف قلندر بابا اولیاء)

درخت کی سرسبز شاخ آسانی سے ٹو جاتی ہے اور ہم اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق اس میں لچک پیدا کر لیتے ہیں۔ اس کے عکس کو بھی مگر مٹی کے ساتھ زور آزمائی کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ قدرت کا یہ فیضان جاری و ساری ہے۔ اور اللہ کے قانون کے مطابق:

”جو لوگ اللہ کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اوپر اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔“

آپ اس قانون کا سہارا لے کر شیلی پیٹی سیکھ سکتے ہیں۔

امان اللہ بیچائی لائبریری

فلپٹ لمبر DS/3-4 ہلاک

D ہاؤسنگ کمپلکس پورٹ

لاہور اتھارٹی کراچی 7606



کیفیات و واردات سبق ۲

محمد جہانگیر تبسم، ڈیرہ اسماعیل خاں۔

۲۔ نومبر: ٹیلی پیٹھی کی دوسری مشق کے دوران آنکھوں میں سے نور کی ہر ہر نکلتی ہوئی محسوس کیں۔ نور کے ہانے نگاہوں کے سامنے آتے رہے۔ اور جاتے رہے۔ ایک بہت بڑی وسعت دکھائی دی۔ اور اس میں روشنی ہی روشنی پھیلی نظر آئی مشق کے دوران آنکھوں کے ڈیلے بالکل ساکت اور جھے ہوئے محسوس کئے۔

۳۔ نومبر: آنکھوں کے سامنے نور کی ہر ہر کا عجم ہو گیا۔ اور غور سے دیکھنے پر ہسروں میں سمتیں نظر آئیں۔ مشق کے دوران دماغ کو جھٹکا لگا۔ اور روشنی میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے اپنے دماغ میں بہت زیادہ روشنی بھری ہوئی محسوس کی۔

۲۳۔ نومبر: آج خود کو فضا میں پرواز کرتے دیکھا اور دوران پرواز دیکھا کہ میرا دماغ روشنیوں سے بھرا ہوا ہے اور ماتھے پر نور کی بنی ہوئی ایک باطنی آنکھ بھی ہے۔ مشق کے بعد میں نے سونے کے لئے کبل اپنے اوپر ڈالا تو کبل کے اندر روشنی کا جھماکا ہوا جیسے کسی نے ٹیوب لائٹ جلادی ہو۔

خالد پرویز، کوئٹہ، بلوچستان۔

۱۰۔ فردری : سانس کی مشق کرنے کے بعد مراقبہ شروع کیا تو نور کی بارش کا تصور بندھ گیا۔ ہر طرف نور برس رہا تھا اور میں اس بارش میں بیٹھا ہوا مشق کر رہا تھا۔ نور کی برسات ایسے تھی جیسے دودھ کے چمک دار قطرے ہر طرف گر رہے ہوں۔ صبح سانس کی مشق کے بعد مراقبہ میں پھر نور کا تصور بندھ گیا۔ اور نور کی موسلا دھار بارش مجھ پر گرتی رہی۔ اور ذہن میں خیالات بھی آتے رہے۔

رات کو خواب میں جو کچھ دیکھا دوسرے دن من و عن وہی واقعات رونما ہو گئے۔ حیران ہوں کہ سلی سلی پیشی کی مشقوں کا خواب سے کیا تعلق ہے۔

جب بھی نور کی بارش کا تصور کرتا ہوں اسے پوری شدت سے برسات دیکھتا ہوں۔ نور کی چمک دار بوندیں جسم پر جہاں بھی گرتی ہیں وہ جگہ روشن اور شفاف (TRANSPARENT) بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پورا جسم روشنیوں کا بنا ہوا نظر آتا ہے۔

نورانی بال

محمد فاروق مصطفیٰ، بہاول پور۔

۱۲۔ جنوری : آج دوران مشق سارا ماحول موسلا دھار بارش میں ڈوبا ہوا محسوس ہوا۔ خود اپنے اوپر بھی تیز اور کبھی ہلکی بارش برستی ہوئی دیکھی۔ لیکن ارد گرد کا سارا ماحول بہت تیز اور لگاتار بارش میں ڈوبا ہوا نظر آتا رہا۔ ایسے لگا جیسے جسم بیگ رہا ہے اور سر کے بال نورانی بارش سے تر ہو گئے ہیں۔

۹۔ جنوری تا ۱۲۔ جنوری : ذہن پر عجیب قسم کی گرد سی چھائی رہی جیسے ذہن بالکل ہی خالی ہو اور کوئی بات بھی سوچنے پر آمادہ نہ ہو۔

گناہوں کی دلدل

محمد طارق، ڈی آئی خاں۔

۳۔ فردری : کھلی آنکھوں سے نور کی بارش کا تصور قائم ہوا لیکن پھر غنودگی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد مجھے اچانک جھٹکا لگا اور میں عالم ہوش میں آ گیا۔ دیکھا کہ کمرے میں بے شمار روشنیاں پھیلی ہوئی ہیں۔

۵۔ فردری : دیکھا کہ ایک بہت بڑا گلاب کا پھول آسمان سے نور کے پانی میں اُترا۔ پھول ایک طرف سے دروازے کی طرح کھلا اور ایک بزرگ جن کے ارد گرد نور کا ایک ہالہ سا تھا اپنے ساتھیوں سمیت نکلے۔ پھول کا دروازہ بند ہو گیا۔ وہ بزرگ اپنے ساتھیوں سمیت نور کے پانی میں چلتے ہوئے ایک جگہ آ کر ٹھہر گئے۔ پھر آسمان سے ایک تاریک اور بڑا گلوب نیچے آیا۔ بزرگ نے جب کچھ پڑھ کر اس گلوب پر پھونکا تو وہ چمکنے لگا اور اس پر طسرح طرح کے مناظر دکھائی دینے لگے۔ وہ بزرگ اور ان کے ساتھی ارد گرد دائرے کی صورت میں بیٹھ گئے۔ آواز آئی "تمہاری یہ دنیا گناہوں کی دلدل میں گردن تک دھنسی ہوئی ہے۔ اس لیے اطمینانی کا شکار ہے۔ اگر تم صدق دل سے عبادت کرو اور متحد ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست نہیں دے سکتی۔ اس کے بعد وہ گلوب تاریک ہو گیا۔ بزرگ نے اسے اٹھایا اور آسمان کی جانب پھینک دیا۔ اور وہ بادلوں کی اُٹ میں غائب ہو گیا۔ اب پھول سے

دو حورتیں نکلیں اور دروازے کے دونوں طرف کھڑی ہو گئیں۔ وہ بزرگ مع اپنے ساتھیوں کے جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچے، انہوں نے ادب سے دروازہ کھول دیا۔ ان کے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ پھر بند ہو گیا۔ پہلے تو وہ پھول پانی میں تیرتا رہا۔ پھر آسمان کی جانب پرواز کر گیا۔ پھر وہی نور کی بارش سٹی اور میں تھا۔

۱۰۔ فروری : جب مشق کرنے بیٹھا تو کمرے میں باوجود سخت اندھیرا ہونے کے کمرے کی ہر چیز صاف نظر آنے لگی۔ دیکھا کہ آسمان نیلا ہے اور ایک نیلا بادل تیرتا ہوا میرے سر پر آیا اور ایک طرف سے چھٹ گیا۔ جس سے بے شمار روشنی نکلی اور قطروں کی صورت میں تبدیل ہو کر برسنے لگی۔ اور پھر یہ موسلا دھارا ہو گئی۔

نور کی بارش

روبی خان، کراچی

۷۔ جنوری : نور کی بارش کا تصور کیا تو دیکھا کہ سرد درختوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور نور کی بارش سر کے اندر ہو رہی ہے۔ نور ابل ابل کر باہر بھی نکل رہا ہے۔ بلب کی فطرت بھی بھل جاتا ہے اور کبھی بچھ جاتا ہے۔

۱۱۔ جنوری : مشق کے دوران دیکھا کہ ایک بہت بڑی مسجد میں کچھ بزرگ بیٹھے مقدس آئینے پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی دعوت دی کہ تم بھی پڑھو۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیوں پڑھا جا رہا ہے۔ جواب ملا تمہاری کامیابی کے لئے۔

۸۔ فروری سے ۲۰۔ فروری تک : کھلی آنکھوں سے نور کی بارش کی مشق

کی۔ کافی حد تک کامیابی ہوئی۔ کبھی کبھی آنکھوں کے سامنے تیز روشنی نمودار ہوتی تھی اور کبھی نور کی بارش کا تصور قائم ہو جاتا تھا۔ کل ۲۰۔ فروری کو سارے ماحول پر بارش کا خوش گوار اثر دیکھا۔

منیرہ فاطمہ، لاہور

۶۔ جولائی : نور کی بارش کا تصور بہت آسانی سے قائم ہو گیا مگر جیسے ہی چہرے پر بوندوں کے گرنے کا احساس اُجاگر ہوا نیند آ گئی۔ میں نے سارے دن اس بات کو آزمایا ہے کہ جب چہرے پر نورانی بارش کی بوندیں گرتی ہیں مجھے نیند آ جاتی ہے۔ ۱۲۔ جولائی : ایک عجیب سی روشنی دیکھتی ہوں۔ اس سے سارا گھر یا کمرہ روشن ہو جاتا ہے۔ نور کی بارش کا جب تصور آتا ہے تو دو سیکنڈ کے اندر اندر اپنے آپ کو بارانِ رحمت میں بھیگا ہوا پاتا ہوں۔ جسم میں ایک لطیف پھریری آ جاتی ہے۔ اور کتنے ہی گرم کمرے کیوں نہ ہوں مجھے ٹنڈک سی محسوس ہونے لگتی ہے اور بہت ہی لطف آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ رحمت کی بارش میں کھڑی رہوں۔ کبھی کبھی تو جیسے ہی نور کی بارش کی بوند جسم پر پڑتی ہے تو فوراً ہی ایک روشنی یا فلیش سی نظروں کے سامنے چمک جاتی ہے۔ جسم میرا قریب پورے ہفتے ہی گرم گرم سا رہا۔ تھرماسٹر لگایا تو بخار یا حرارت نہیں تھی۔

چراغ اور موم بتی

یادگار حسین، کراچی

۲۹۔ اکتوبر : مراقبہ میں کچھ دیر کے لئے نور کی بارش کا تصور بندھا اور

پھر بدن کو جھٹکے لگے لگے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے دن نکلا ہوا ہے اور چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی ہے۔

۳۔ اکتوبر: ایک روشن دائرہ آیا۔ اس کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے نگاہوں کے سامنے سے پردے ہٹتے جا رہے ہیں۔ روشن دائرے میں مختلف منظر متحرک نظر آئے۔ شق کے بعد لیٹا تو محسوس ہوا کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں کالے سیاہ بادل اور سفید رنگ بادل اگر ان میں شامل ہو رہے ہیں۔ ان بادلوں میں سے سفید شعاں نکلتے لگیں۔ اور ان کا رنگ تبدیل ہو کر سنہری ہو گیا۔ اگلے دن نوکر اچھا گیا تو مغرب سے پہلے وہی منظر دیکھا کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں اور سورج ان کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور سورج کی کرنوں کی وجہ سے بادلوں میں سے سنہری شعاں نکلتی رہی ہیں۔

۴۔ نومبر: دیکھا کہ ایک مزار ہے جس کا گنبد سفید ہے۔ اور نور اس پر دھارے کی صورت میں برس رہا ہے۔ خانہ کعبہ کی جھلک بھی نظر آئی۔ اس کے بعد دیکھا کہ دور ایک چراغ جل رہا ہے۔ یہ منظر آہستہ آہستہ قریب آتا گیا اور میں نے دیکھا کہ ایک موم بتی جل رہی ہے۔ ایک عمارت نظر آئی اور پھر ایک مینار دکھائی دیا۔ کچھ لوگ نظر آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے ایک عصا میری طرف بڑھایا۔ لیکن مجھے اسے لینے میں مجھوک محسوس ہوئی اور پھر میں نے وہ عصا لے لیا۔

۵۔ نومبر: سانس کی مشق کے دوران روشنی کی ایک بڑی قوس قزح کی شکل میں نظر آئی۔ پھر کئی رنگ کی پٹیاں سامنے آتی رہیں۔ زرد، سرخ اور نیلگوں۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے نور کا دھارا نگاہوں کے سامنے آنے والا ہے۔

۶۔ نومبر: مشق کے دوران جسم کو کئی جھٹکے لگے۔ اور اتنی تیز روشنی پیدا ہوئی جیسے دن نکل آیا ہو۔ میں نے اس روشنی میں دیکھا کہ ایک قطار میں کچھ بزرگ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے خود کو ایک نہایت خوبصورت باغ میں موجود پایا۔ باغ میں ہرے بھرے پودے اور پھل دار درخت لگے ہوئے تھے۔ کسی نامعلوم شخص نے موتیا کا ایک پودا جس سے اکھاڑ کر میری طرف بڑھایا اور کہا کہ اسے سونگھو۔ میں نے اسے سونگھا تو ایک عجیب قسم کی خوشبو محسوس کی۔ وہ خوشبو نہایت تیز تھی اور اس کا اثر حیرت انگیز تھا۔ چند لمحوں پہلے میرے دماغ پر جو بوجھ تھا وہ یکلخت ختم ہو گیا۔ اور میں نے خود کو پرسکون محسوس کیا۔

۱۲۔ نومبر: ٹیلی سٹی کی مشق کے بعد لیٹا تو جسم کی حرکت ساکت ہو گئی۔ دوسرے لمحے میں نے خود کو حسلا میں موجود پایا۔ رنگ اور روشنی کی بارش ہو رہی تھی اور میں اس بارش کی زد میں تھا۔ میں نے رنگ و نور کی اس بارش کی چوٹ اپنے جسم پر محسوس کی۔ میں نے نیچے کی جانب دیکھا تو نظر آیا کہ بارش ایک نہر میں جمع ہو رہی ہے۔ اس وقت تیز ہوا چلنے لگی اور کہیں دور سے گھنٹیوں کی آواز سنائی دی جو کانوں کو بہت بلی لگ رہی تھی۔

بند آنکھوں کے سامنے روشنی کی لکیروں کا جال پھیل گیا اور دل کی طرح ایک بڑی ڈبیا نظر آئی جس میں کھر کی طرح دروازہ بنا ہوا تھا۔ یہ دروازہ بار بار کھلتا اور طرح طرح کے مناظر دکھائی دیتے۔ دیکھا کہ ایک تالاب ہے اور اس میں ایک مچھلی تڑپ رہی ہے۔ مچھلی کو تڑپتے دیکھ کر یہ بات ذہن میں آئی کہ پانی کم ہے جس کی وجہ سے مچھلی غوطہ لگاتی ہے اور فرشتے سے ٹکر اچھاتی ہے۔ تالاب کے اندر دیواروں پر سیل پوٹے بنے ہوئے تھے۔

۱۵۔ نومبر: ایک روشن دائرے میں خانہ کعبہ نظر آیا۔ اس کے چاروں طرف لوگ کھڑے ہوئے تھے اور آسمان سے باران رحمت کی طرح نور چاروں طرف

پھیل رہا تھا۔

محمد صفدر تابانی شیخوپورہ۔

مراقبہ میں دیکھا کہ واقعہ آئیں بارش میں بھیگ رہا ہوں۔ پھر یہ بوندیں اولوں کی طرح سفید موتی بن کر گرنے لگیں۔ جب یہ موتی میرے جسم سے ٹکرانے لگے محسوس ہوتا تھا جیسے ان کا مادی وجود نہیں ہے۔ بلکہ یہ روشنیوں سے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن میں نے نور کے ان قطروں کا لمس ضرور محسوس کیا ہے۔ ایک اور فرق تھا اور وہ یہ کہ پانی کے قطروں سے ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے لیکن ان بوندوں کے گرنے سے مستی و سرور کا اس جاگ جاگ جاتا تھا۔

جھاڑو اور کمزور شخص

محمد منصور، باغبان پورہ

۲۹۔ اپریل : بارش پانچ سبکداتا تک نظر آتی رہی جو دو دھیان رنگ کی تھی اور ذہن اسے نورانی صورت میں دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔

آج غلابت معمول صبح بیدار ہو کر دوبارہ سو گیا۔ دیکھا کہ میرے کمرے میں سیاہ اور گزور رنگت والا شخص جھاڑو دے رہا ہے۔ دیکھتے ہی میں غصے میں باہر آ گیا کہ اسے میرے کمرے میں داخل ہونے کی جرات کیسے ہوئی۔ دوبارہ کمرے میں شک کی بنا پر گیا۔ دیکھا کہ وہ میرے بوٹوں کے تسمے بڑی تباہی سے پرور رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا آپ غلط تسمے ڈال رہے ہیں۔ میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ کام کرتا رہا۔

۳۰ مئی : آہستہ آہستہ نیلے بادل چھا گئے۔ آج بازو اور سر ایسے ٹھنڈے

ہو گئے جیسے انہیں برت میں لگا دیا گیا ہو۔

لطیف آباد احمد آباد میں منبر احمد ۱۶۔ جولائی سے برابر نور کی بارش دالی شوق کر رہے ہیں۔ لکھتے ہیں پہلے دو دن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ البتہ ۱۸۔ جولائی کو مشق کے دوران سر میں شدید قنم کا درد ہوا۔ ۱۹۔ جولائی کو بھی مشق کے دوران یہ درد برابر ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ اس بات کی وضاحت آپ نے کر دی تھی اس لئے میں نے کوئی خیال نہیں کیا۔

۲۰۔ جولائی کو جب مشق سے فارغ ہو کر میں بستر پر لیٹا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں دوہن گیا ہوں۔ میں نے تصور کی آنکھ سے دیکھا تو میرے برابر میں ایک اور منبر لیٹا ہوا تھا۔

علم کی رُجہ بندی

محمد ارشد، کراچی۔

سوال: میں آپ سے چند سوالات کے جوابات چاہتا ہوں۔ آپ ان سوالات کے جوابات قرآن کریم کی روشنی میں دیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان سوالات کے جوابات سے روحانیت کے بعض گوشوں پر روشنی پڑے گی اور ایسے لوگ جن کے ذہنوں میں اس قسم کے سوالات پیدا ہونے میں وہ بھی مطمئن ہو جائیں گے۔

اگر ہم شلی پیتی کے ذریعے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں اور دوسرے کے خیالات معلوم کر سکتے ہیں تو ہم شلی پیتی کو بوجھ گچھ کے سلسلے میں کیوں استعمال نہیں کرتے اور جاسوسوں کے اہم منصوبوں سے کیوں واقف نہیں ہو جاتے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی روحانی استاد کی نگرانی میں مراقبہ کرنے سے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے تو ہم یہ کیوں نہیں پتہ کر لیتے کہ اہرام مصر کب اور کیوں تعمیر ہوئے اور ان میں استعمال ہونے والے اتنے وزنی پتھر کس طرح لائے گئے؟

جواب: دنیا میں رائج علوم کی اگر درجہ بندی کی جائے تو ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

PHYSICS

۱۔ طبیعیات

PSYCHOLOGY

۲۔ نفسیات

PARA PSYCHOLOGY

۳۔ مابعد النفسیات

علم طبیعیات کے ضمن میں زندگی کے وہ اعمال و اشغال آتے ہیں جن سے کوئی آدمی محدود دائرے میں رہ کر مستفیض ہوتا ہے یعنی اس کی سوچ کا محور مادہ (MATTER) اور صرف مادہ ہوتا ہے۔ مادی دنیا کے اس خول سے وہ باہر نہیں نکلتا۔

نفسیات وہ علم ہے جو طبیعیات کے پس پردہ کام کرتا ہے۔ خیالات و تصورات اور احساسات کا تانا بانا اسی علم سے مرکب ہے۔ خیالات اگر تو اتر کے ساتھ علم طبیعیات کے دائرے میں منتقل ہوتے رہیں تو آدمی صحت مند خیالات کا پیکر ہوتا ہے اور اگر خیالات کے اس لامتناہی سلسلے میں کوئی زخم در آئے اور علم طبیعیات کا دائرہ اس خیال میں مرکوز ہو جائے تو آدمی نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔

علم مابعد النفسیات، علم کی اس بساط کا نام ہے جس کو روحانیت میں مصدر اطلاعات یعنی SOURCE OF INFORMATION کہا جاتا ہے۔ علمی حیثیت میں یہ ایک ایسی یکنسی ہے جو لاشعور کے پس پردہ کام کرتی ہے۔

اس اجسام کی تفصیل یہ ہوئی کہ آدمی تین دائروں سے مرکب ہے۔ شعور، لاشعور اور ورائے لاشعور۔ جب ہم کسی مظاہراتی خود و خیال میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں ان تین دائروں میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ یعنی پہلے ہم کسی چیز کی اطلاع ملتے ہیں، پھر اس اطلاع میں تصوراتی نقش و نگار بنتے ہیں اور پھر یہ تصوراتی نقش و نگار منظر کار و پیکار کے ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔ اسی بات کو ہم دوسری طرح بیان کرتے ہیں تاکہ بات پوری طرح واضح ہو جائے۔

کائنات میں پھیلے ہوئے مظاہر میں اگر فکر کیا جائے تو یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ خیالات یعنی اطلاع (INFORMATION) تمام موجودات میں قدر مشترک رکھتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پانی کو ہر آدمی، ہر حیوان اور نباتات و جمادات پانی سمجھتے ہیں اور اسی طرح اس سے استفادہ کرتے ہیں جس طرح ایک آدمی کرتا ہے جس طرح پانی کو پانی کہا جاتا ہے اسی طرح آگ ہر مخلوق کے لئے آگ ہے۔ آدمی اگر آگ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو بکری، بکوتر، شیر اور حشرات الارض بھی آگ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک آدمی مٹھا پسند کرتا ہے، دوسرا طبعاً مٹھی چیزوں کی طرف مائل نہیں لیکن یہ ہر دو اشخاص مٹھے کو مٹھا اور نمک کو نمک کہنے پر مجبور ہیں۔ یہ جہاں جہاں آدمی خیالات اور تصورات میں قدر مشترک رکھتے ہیں وہاں وہ خیالات میں اپنی مرضی اور مشارک کے مطابق معانی پہنانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کا یہ سوال کہ کیا ہم اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں اور کیا دوسروں کے خیالات معلوم کر سکتے ہیں، کے جواب میں عرض ہے کہ آپس میں خیالات کی منتقلی کا نام ہی زندگی ہے۔ ہم اپنے سے علاوہ دوسرے فرد کو صرف اس لئے پہچانتے ہیں کہ اس کے شخص کے خیالات ہمیں منتقل ہو رہے ہیں۔ اگر زید کے خیالات اور خیالات کا مجموعہ زندگی، بکر کے دماغ کی اسکرین پر نہ ہو تو بکر زید کو نہیں پہچان سکتا۔ درخت کی زندگی میں کام کرنے والی وہ لہریں جن کے اوپر درخت کا وجود قائم ہے اگر آدمی کے اندر منتقل نہ ہوں تو آدمی درخت کو نہیں پہچان سکے گا۔

شاہد اور مشہود دیکھنے اور سمجھنے کی طرز میں دو رخ پر قائم ہیں۔ ایک براہ راست اور دوسری بالواسطہ۔ بالواسطہ دیکھنے کی طرز یہ ہے کہ ہم علمی اعتبار سے دو وجود کا تعین کرتے ہیں۔ ایک وجود شاہد یعنی دیکھنے والا، دوسرا وجود مشہود یعنی اجماع ہے۔ ایک

آدمی جب بکری کو دیکھتا ہے تو یہ الفاظ دیگر وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں بکری کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ بالواسطہ دیکھنا ہے۔ دوسری طرز یہ ہے کہ بکری ہمیں دیکھ رہی ہے اور ہم بکری کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں یعنی بکری کی زندگی کو قائم کرنے والی لہریں ہمارے دماغ کی اسکرین پر بصورت اطلاع وارد ہوئیں۔ دماغ نے ان لہروں کو نقش و نگار میں تبدیل کیا اور جب یہ نقش و نگار شعور کی سطح پر نمودار ہوئے تو بکری کی صورت میں مظہر بن گئے۔ قانون روحانیت کی رو سے فی الواقع براہ راست دیکھنا ہی صحیح ہے اور بالواسطہ دیکھنا محض مفروضہ (FICTION) ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بہت زیادہ توجہ طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور سے ارشاد فرماتے ہیں:

”اور تو دیکھ رہا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں، تیری طرف، وہ کچھ نہیں دیکھ رہے“ آیت مقدسہ کے مفہوم پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ وہ دیکھ رہے ہیں لیکن باوجود دیکھنے کے وہ کچھ نہیں دیکھ رہے۔ حاصل کائنات، فخر موجودات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدسی نفس شخص میں اللہ تعالیٰ کی جو تجلیات اور انوار کام کر رہے ہیں وہ لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہیں اور ان تجلیات اور انوار کو نہ دیکھتا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد کے بموجب کچھ نہ دیکھتا ہے۔

اپنی حدود میں رہتے ہوئے براہ راست دیکھنے کی طرز رکھنے والے جن بندوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اندر موجود انوار و تجلیات کا شاہد کیا وہ حضور کے ہم خیال بن گئے۔ یہ بات الگ ہے کہ براہ راست دیکھنا کسی بندے میں قلیل تھا اور کسی بندے میں زیادہ۔

مثیلی یعنی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جدوجہد اور کوشش کے براہ راست

دیکھنے کی طرز سے قریب ہو جائے۔ جن حدود میں وہ براہ راست طرز نظر سے وقوف حاصل کر لیتا ہے اسی مناسبت سے وہ اس جو خیال بنتی ہیں اس کے سامنے آجاتی ہیں۔ یہ عجیب سربستہ راز ہے کہ پوری کائنات کے افراد اطلاعات اور خیالات میں ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہیں۔ البتہ اطلاعات میں معانی پہنانا الگ الگ وصف ہے۔ بھوک کی اطلاع شیر اور بکری دونوں میں موجود ہے لیکن بکری اس اطلاع کی تکمیل میں گھاس کھاتی ہے اور شیر بھوک کی اس اطلاع کو پورا کرنے کے لئے گوشت کھاتا ہے۔ بھوک کے معاملے میں دونوں کے اندر فرق مشترک ہے۔ بھوک کی اطلاع کو الگ الگ معانی پہنانا دونوں کا جدا جدا گانہ وصف ہے۔

آپ کا یہ سوال کہ ٹیلی مٹیجی کو جاسوسی میں کیوں استعمال نہیں کیا جاتا اور یہ کہ ٹیلی مٹیجی کے ذریعے سربستہ راز کیوں نہیں معلوم کئے جاتے، اس کے بارے میں ایسے شواہد موجود ہیں کہ پہناٹرم کے ذریعے یورپ میں بڑے بڑے آپریشن کر دیئے جاتے ہیں اور مریض کو کلیف کا احساس بالکل نہیں ہوتا، وغیرہ وغیرہ۔ پہناٹرم اور ٹیلی مٹیجی ایک ہی قبیل کے دو علم ہیں۔ ان کا منبع اور مخزن ایک ہے یعنی خیالات کے اوپر گرفت کا مضبوط ہونا۔

ایسے صاحب روحانیت جو ٹیلی مٹیجی کے قانون سے واقف ہیں وہ آزاد ذہن ہوتے ہیں۔ انہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ جاسوسوں کو پکڑتے پھر میں اور پولیس کا کردار انجام دیں۔ البتہ یہ بات عام طور پر مشاہدے میں آئی ہے کہ کوئی بندہ کسی صاحب روحانیت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بندے کے دماغ میں جو کچھ تھا وہ انہوں نے دانستہ بغیر دانستہ طور پر بیان کر دیا۔

اہرام مصر کب اور کیوں قائم ہوئے اور ان کو تیس لاکھ تراشے ہوئے پتھروں سے کس طرح بنایا گیا جب کہ ہر چٹان کا وزن ستر ٹن ہے۔ اور یہ زمین سے تیس چالیس فٹ کی بلندی پر نصب ہیں۔ اور ان اہرام کا فاصلہ کم سے کم پندرہ میل اور زیادہ سے زیادہ پانچ سو میل ہے یعنی جن پتھروں سے اہرام مصر کی تعمیر ہوئی وہ پانچ سو میل دور سے لائے گئے تھے۔

میرے بھائی! کسی صاحب مراقبہ کو یہ بات معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے لیکن ان کے سامنے اس سے بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ رموز ہوتے ہیں اور وہ ان رموز کی تجلیات میں مجھو استغراق رہتے ہیں۔

ایک بزرگ رپا (RAMPA) خیالات کی ہروں کے علم سے وقوف رکھتے ہیں۔ انہوں نے ماہرین آثار قدیمہ کے اصرار پر یہ انکشاف کیا ہے کہ میں ہزار سال پہلے کے وہ لوگ جنہوں نے اہرام مصر بنائے ہیں آج کے سائنس دانوں سے زیادہ ترقی یافتہ تھے اور وہ ایسی ایجادات میں کامیاب ہو گئے تھے جن کے ذریعے پتھروں میں سے کشش ثقل ختم کر دی جاتی تھی۔ کشش ثقل ختم ہو جانے کے بعد پچاس یا سو ٹن وزنی چٹان ایک آدمی اس طرح اٹھا سکتا ہے جیسے پردوں سے بھرا ہوا ایک تکیہ۔

اسی طرح سائنس کی دنیا میں ایک اور بزرگ جناب ایڈگر کیسی کے مطابق ان پتھروں کو ہوا میں تیرا کر (FLOAT) موجودہ جگہ بھیجا گیا ہے۔

اہرام مصر کے سلسلے میں ان دانشور بزرگوں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہروں کی منتقلی کے اس قانون کے مطابق ہے جس کو ٹیلی مٹیجی کہا جاتا ہے۔

دماغی کشمکش

ہمارے اسلاف میں ایک بزرگ شاہ ولی اللہؒ گزرے ہیں۔ ان کے ہاتھ اس جرم میں توڑ دیے گئے تھے کہ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے بتایا ہے کہ جسم انسانی کے اوپر ایک اور انسان ہے جو روشنیوں کی ہسروں سے مرکب ہے جس کا ہسٹلاچی نام انہوں نے سہم رکھا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے یہ بات واضح دلیل کے ساتھ بتائی ہے کہ اصل انسان نرسر یعنی AURA ہے۔ جنہی بیماریاں، الجھنیں اور پریشانیاں انسان کے اوپر آتی ہیں وہ نرسر میں ہوتی ہیں۔ گوشت پوست سے مرکب خاکی جسم میں نہیں ہوتیں۔ البتہ نرسر کے اندر موجود کسی بیماری یا پریشانی کا منظر ہر جسم پر ہوتا ہے یعنی جسم دراصل ایک اسکرین ہے اور نرسر منظر ہے۔ فلم میں سے اگر دانش دہیوں کو دور کر دیا جائے تو اسکرین پر تصویر واضح اور صاف نظر آتی ہے۔ بالفاظ دیگر اگر نرسر کے اندر سے بیماری کو نکال دیا جائے تو جسم خود بخود صحت مند ہو جائے گا۔

شاہ ولی اللہؒ نے اس بات کی بھی تشریح کی ہے کہ آدمی اطلاعات، انفارمیشن یا خیالات کا مجموعہ ہے۔ صحت مند خیالات پر کون زندگی کا پیش خیمہ ہیں۔ اس کے برعکس اضمحلال، پریشانی، اعصابی کشاکش، دماغی کشمکش اور نئی بیماریاں خیالات میں پیچیدگی،

پراگندگی اور تخریب کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔ ٹیلی پتھی چوں کہ انفارمیشن، خیالات یا اطلاع کو جاننے کا علم ہے اس لئے یہ علم سیکھ کر کوئی بندہ خود بھی الجھنوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

ٹیلی پتھی کی علمی توجہ کے سلسلے میں ہم نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کائنات میں موجود ہر شے کا قیام لہروں پر ہے۔ بالفاظ دیگر کائنات میں موجود ہر شے کی زندگی لہروں پر رواں دواں ہے اور ان لہروں کی معین مقداروں سے الگ الگ مخلوق تخلیق پاتی ہے۔ معین مقداروں کے ساتھ کہیں یہ لہریں ٹکرائی بن جاتی ہیں، کہیں لوہا، کہیں پانی۔

مثال: ہم پانی کو دیکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ پانی ہے جب کہ ہمارے دماغ پر یا جسم پر پانی کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا یعنی ہمارا دماغ بھیگتا نہیں ہے۔ اسی طرح ہم پتھر کو پتھر کہتے ہیں جب کہ پتھر کا وزن ہمارا دماغ محسوس نہیں کرتا۔ بات وہی ہے کہ پانی کے اندر کام کرنے والی لہریں ٹیلی پتھی کے اصول پر جب ہمارے دماغ میں منتقل ہوتی ہیں تو ہم اس کو پانی کہہ دیتے ہیں۔

کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس چیز کے اندر کام کرنے والے اوصاف، اس کی حقیقت اور اس کی ماہیت سے وقوف حاصل ہو اور وقوف سے مراد یہ ہے کہ ہم نہ صرف لہروں کے علم سے واقفیت ہو بلکہ ہم یہ بھی جانتے ہوں کہ لہریں بچھ نہیں ہوتیں، وہ متحرک ہوتی ہیں۔ اور ان کی حرکت زندگی کے اندر کام کرنے والا ایک تقاضا ہے۔ اور ان تقاضوں سے زندگی کے اجزاء مرتب ہوتے ہیں۔ ہر لہر اپنے اندر ایک وصف رکھتی ہے اور اس وصف کا نام ہم طاقت (FREQUENCY) رکھتے ہیں۔ کسی طاقت سے فائدہ اٹھانا اس وقت ممکن ہے جب ہم اس کے استعمال سے

واقعہ ہوں۔ اسی وقوف کو اللہ تعالیٰ نے حکمت کا نام دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور ہم نے لقمان کو حکمت دی تاکہ وہ اسے استعمال کرے اور جو لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں انہیں فائدہ پہنچتا ہے اور جو لوگ اس کا کفران کرتے ہیں وہ خسارے میں رہتے ہیں۔“

قرآن پاک پوری نوبۃ انسانی کے لئے منبع ہدایت ہے۔ جو لوگ حکمت کے قانون میں تفکر کرتے ہیں اور اس کی ماہیت میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں مرکوز کر دیتے ہیں ان کے اوپر طاقت کے استعمال کا قانون منکشف ہو جاتا ہے۔ اور نئی سے نئی ایجادات مظاہر بن کر سامنے آتی رہتی ہیں۔ کبھی استعمال کا یہ قانون ایٹم بم بن جاتا ہے اور کبھی ریڈیو اور ٹی وی کے روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور ہم نے لوہا نازل کیا اور اس کے اندر لوگوں کے لئے بے شمار فوائد رکھ دیئے۔ غور و فکر کا تقاضا ہے اور اپنی بے بضاعتی پر آنسو بہانے کا مقام ہے کہ موجود سائنس کی ہر ترقی میں لوہے کا وجود زیر بحث آتا ہے۔ جن لوگوں نے لوہے کی خصوصیات اور اس کے اندر کام کرنے والی اہروں کو تلاش کر لیا۔ ان کے اوپر یہ راز منکشف ہو گیا کہ بلاشبہ لوہے میں نوبۃ انسانی کے لئے بے شمار فوائد مضمر ہیں۔“

المیہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو محض ایصالِ ثواب اور حصولِ برکت کا ذریعہ بنا لیا ہے اور قرآن پاک میں تسخیر کائنات سے متعلق جو فارمولے بیان ہوئے ہیں ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جن لوگوں نے تسخیر کائنات سے متعلق فارمولوں کے

روز و نکات پر سیرج کی اور اس کوشش میں اپنی زندگی کے ماہ سال بسر کر دیئے انہیں اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کی ہے
خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

نیلی پیتی کا تیسرا سبق

یہ بات آپ جان چکے ہیں کہ ماورائی علوم سمجھنے کے لئے بطور خاص منتشر خیالات سے خود کو آزاد کرنا ضروری ہے۔ جب خیالات ایک نقطہ پر مرکوز ہو جاتے ہیں تو دماغ ایک سو ہو جاتا ہے۔ جن حشرات نے پہلے سبق کی تکمیل نہیں کی ہے انہیں چاہئے کہ پہلے سبق کی تکمیل کے بعد دوسرا سبق شروع کریں۔ اسی طرح جب تک دوسرے سبق کی تکمیل نہ ہو تیسرا سبق شروع نہ کیا جائے۔ ایک بات اور سمجھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں بنائی ہیں۔ جس طرح پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہیں اسی طرح ہر آدمی کی صلاحیت بھی الگ الگ ہے۔ کسی کے اندر صلاحیت بہت زیادہ ہے، کسی کے اندر صلاحیت زیادہ ہے اور کسی بندے کے اندر صلاحیت کم ہوتی ہے۔ کم صلاحیت لوگوں کو زیادہ صلاحیت لوگوں کی کامیابی سے خوش ہونا چاہئے۔

احساس کمتری میں مبتلا ہونا دراصل اپنی صلاحیتوں کو زنگ لگا دینے کے مترادف ہے۔ جن لوگوں کو کامیابی کم ہوتی ہے یا وہ ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے ہیں، انہیں بدول ہونے کی بجائے اور زیادہ ذوق و شوق سے کوشش کرنی چاہئے۔ کامیابی یقینی ہے۔ ہمت مردان مدد خدا
ذہنی یک سوئی حاصل کرنے کے لئے تیسرا سبق یہ ہے :-

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے ہاتھ کے نتھنے کو بند کر لیں اور بائیں نتھنے سے سات سیکنڈ تک سانس کھینچ کر سیدھا نتھنا چھٹکیلا سے بند کر لیں اور پندرہ سیکنڈ کے بعد اٹھے نتھنے سے سات سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ یہ ایک حکم ہو گیا یعنی سات سیکنڈ سانس لینا، پندرہ سیکنڈ سانس روکنا اور سات سیکنڈ باہر نکالنا۔ اسی طرح پندرہ مرتبہ اس عمل کو دہرایا جائے۔ یہ مشق بھی خالی معدہ، صبح سویرے نکلنے سے پہلے اور رات کو سونے سے پہلے خالی پیٹ کرنی چاہئے۔ مشق کرنے والے تمام طلباء و طالبات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ رات کا کھانا بہت ہلکا اور سیر شام کھائیں۔ کھانے اور سانس کی مشق کے درمیان کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا ضروری ہے۔

سانس کی اس مشق کے بعد رات کی پالنی (گوتم بدھ کی نشست) مار کر بیٹھ جائیں یا اس طرح بیٹھیں کہ اعصاب ڈھیلے اور پرسکون رہیں۔ اب آنکھیں بند کر لیں اور یہ تصور کریں کہ ایک حوض ہے اور اس حوض میں پارہ (MERCURY) بھرا ہوا ہے اور آپ حوض میں پارہ کے اندر ڈوبے ہوئے ہیں۔ جب اس تصور میں گہرائی واقع ہو جاتی ہے تو پہلے پارے کا احساس مرتب ہوتا ہے اور جب یہ احساس گہرا ہوتا ہے تو دماغ پر پارے کا وزن محسوس ہوتا ہے۔ دماغ میں نفرتی لہریں پھیلنے کی طرح پھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جب بند آنکھوں سے یہ تصور قائم ہو جائے تو اس مشق کو کھلی آنکھوں سے کیا جائے اور دیکھا جائے کہ آپ خود اور یہ ساری دنیا پارے کے حوض کے اندر ڈوبی ہوئی ہے جب یہ بات مشاہدے میں آجائے تو سمجھ لیجئے کہ اس مشق کی تکمیل ہو گئی ہے۔
نوٹ: مراقبہ برٹ کرنا کیا جائے کیوں کہ اس طرح نیند غالب آ جاتی ہے اور وہ کیفیات جو بیداری میں سامنے آتی چاہئیں خواب میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

اس سے نقصان یہ ہوتا ہے کہ دماغ بیداری کی بجائے خواب دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے اور خواب میں دیکھی ہوئی باتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط قائم رکھنا مشکل امر ہے۔

سائنس کا عقیدہ

ضوانہ

سوال: بقول آپ کے ٹیلی پیٹھی جانتے والا اگر ہر زبان سمجھ سکتا ہے اور دوسروں کے خیالات پڑھ سکتا ہے تو ایسا ہونا کس طرح ممکن ہے کیوں کہ ہمارا عام مشاہدہ یہ ہے کہ آدمی جب کوئی بات سوچتا ہے تو اس کی سوچ کا دائرہ مادری زبان کے الفاظ میں محدود ہوتا ہے مثلاً یہ کہ ہم انگریزی میں ایک مضمون لکھنا چاہتے ہیں اور ہماری مادری زبان اردو ہے تو مضمون کا خاکہ یا مضمون کے اندر مفہوم جو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے دماغ میں مادری زبان میں وارد ہوتا ہے۔ اور ہم اس مادری زبان کو انگریزی الفاظ کا جوار پہنا دیتے ہیں۔

جواب: سائنس کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین پر موجود ہر شے کی بنیاد یا قیام ہمہ باروشی کے اوپر ہے۔ جب ہر شے شعاعوں یا لہروں کا مجموعہ ہے تو ہم شعاعوں یا لہروں کو دیکھے یا سمجھے بغیر یہ کیسے جان لیتے ہیں کہ یہ درخت ہے، یہ پتھر ہے یا یہ چیز پانی ہے۔ ہم جب کوئی پھول دیکھتے ہیں تو ہمارے دماغ پر پھول سے متعلق خوبصورتی، خوشبو، ذرت و انبساط کا تاثر قائم ہوتا ہے حالانکہ ہم نے ابھی پھول کو نہ چھوا ہے، نہ سونگھا ہے۔ اسی طرح جب ایک ایسے آدمی کا چہرہ ہمارے سامنے آتا ہے جو طبعاً تخریب پسند ہے یا ہم سے مخالفت

رکھتا ہے تو اس آدمی کے خیالات سے ہم متاثر ہوتے ہیں اور ہماری طبیعت کے اوپر اس کا رد عمل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کوئی آدمی ہم سے دلی تعلق رکھتا ہے، اُسے دیکھ کر ہماری طبیعت میں اس کے لئے محبت اور انسان شناسی کے جذبات ابھرتے ہیں حالانکہ ان دونوں آدمیوں میں سے کسی نے بھی ہمارے ساتھ نہ کوئی بات کی ہے اور نہ ہمیں کوئی نقصان یا نفع پہنچایا ہے۔

دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن جب پانی کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہر آدمی اُسے پانی سمجھتا ہے جس طرح ایک اردو داں اسے پانی سمجھتا ہے۔ اسی طرح دوسری زبانیں بولنے والے جل، آب، وازر، سار وغیرہ کہتے ہیں۔ لیکن پانی پانی ہے۔ جب کوئی اردو داں کسی انگریز کے سامنے لفظ درخت کہتا ہے تو اس کے ذہن میں درخت ہی آتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انگریز اس کو TREE کہتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی خط پر جب ہم آگ کا تذکرہ کریں گے تو اس خطے پر بولی جانے والی یا دوسری زبان کچھ بھی ہو لوگ اُسے آگ ہی سمجھیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی ماہیت، خواص اور اپنے افغان سے پہچانی جاتی ہے، نام کچھ بھی رکھا جائے۔ ہر چیز کو قیام پھر رہے۔ ایسی ہر چیز کو روشنی کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ مثیل یعنی کمال اصول بھی یہی ہے جس طرح پانی ہر دہلی اور روشنیوں کا مجموعہ ہے اسی طرح خیالات بھی ہر دہلی کے اوپر رواں دواں ہیں۔ ہم جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمارے خیالات کے اندر کام کرنے والی ہر چیز میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم جب کسی آدمی کی طرف متوجہ ہو کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم پیاسے ہیں تو دوسرے آدمی اس بات کو سمجھ جاتا ہے حالانکہ ہم یہ نہیں کہتے کہ میں پانی پلاؤ۔

درخت بھی گفتگو کرتے ہیں خیالات کو سمجھنے اور خیالات میں معافی پہنچانے کے لئے الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے لیکن اگر کائناتی لاشعور کا مطالعہ کیا جائے تو یہ عقیدہ کھلتا ہے کہ الفاظ کا سہارا لینا ضروری نہیں ہے۔ درختوں، چوپایوں، پرندوں اور زندگی اور حشرات الارض کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ یہ سب باتیں کرتے ہیں اور سب اپنے خیالات کو آپس میں رد و بدل کرتے ہیں۔ لیکن الفاظ کا سہارا نہیں لیتے۔ موجودہ زمانے نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ درخت بھی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ درخت موسیقی سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اچھے لوگوں کے ساتھ سے درخت خوش ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی قربت سے جن کے دماغ پیچیدہ اور تخریب پسند ہیں، درخت ناخوش ہوتے ہیں۔ یہ بات میں اپنے مشاہد کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔ میں نے ایسے گھر دیکھے ہیں کہ اُس گھر کے باسی ذہنی طور پر نہایت پس ماندہ اور متعفن خیالات کے حامل تھے۔ اس گھر کے درختوں کے پتوں میں اور درختوں کی شاخوں میں ان کا عکس نظر آتا تھا۔ ان درختوں کو دیکھ کر طبیعت میں تکدر پیدا ہوتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ زبان دراصل خیالات ہیں اور خیالات ہی اپنے معنی اور مفہوم کے ساتھ ذہن انسانی اور دوسری تمام نوعوں میں رد و بدل ہوتے رہتے ہیں۔ الفاظ کا سہارا دراصل شعوری کمزوری کی علامت ہے۔ اس لئے کہ شعور الفاظ کا سہارا لئے بغیر کسی چیز کو سمجھ نہیں پاتا۔ جب کوئی بندہ مثالی سمجھتی کے اصول و ضوابط کے تحت خیالات کی منتقلی کے علم سے قوت حاصل کر لیتا ہے تو اس کے لئے دونوں باتیں برابر ہو جاتی ہیں چاہے کوئی خیال الفاظ کا سہارا لے کر منتقل کیا جائے یا کسی خیال کو لہروں کے ذریعے منتقل کر دیا جائے۔ ہر آدمی کے اندر ایسا کمپیوٹر نصب ہے جو خیالات کو معنی

اور مغموم پہن کر الگ الگ کر دیتا ہے اور آدمی اس مغموم سے باخبر ہو کر اس کو قبول کرتا ہے یا رد کر دیتا ہے۔

کیفیات و واردات سبق ۲

افتخار احمد نجی، سوہدرہ —

۱۸۔ اکتوبر : جب میں نے پارہ کے تالاب کا تصور کیا تو شروع شروع میں مجھے مسلسل نور کی بارش نظر آتی رہی کیوں کہ ذہن نور کی بارش کا عادی ہو چکا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ یہ نور کی بارش مرکزی (پارہ) سے بھرے ہوئے تالاب میں گر رہی ہے۔ پھر یہ بارش گرنا بند ہو گئی اور میرے سامنے پارہ سے بھرا ہوا تالاب ہی رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں پارہ کے تالاب کو دیکھنے دیکھتے خود پارہ میں تبدیل ہو گیا ہوں۔

مشق کے دوران دیکھا کہ پارہ کے چھوٹے چھوٹے تالاب ہی تالاب پھیلے ہوئے ہیں اور میں ان کے اوپر سے اڑتا ہوا جا رہا ہوں۔ پھر میں ان میں سے ایک تالاب کو اپنے لئے چن لیتا ہوں اور اسے دیکھنا شروع کر دیتا ہوں۔

۲۰۔ اکتوبر : مرکزی (پارہ) کی ایک بہت بڑی ہرزین پر نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری زمین پر پھیل گئی۔ ہر کے گزرنے کے بعد زمین پر جا ہی چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑ گئے جن میں مرکزی بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے میں اس میں ڈوبتا چلا جا رہا ہوں۔

۲۱۔ اکتوبر: میں نے خود کو پارے کے حوض میں ڈوبتے دیکھا۔ مجھے اس ہوا کہ پارے کے حوض میں بچے سے بچے چلا جا رہا ہوں لیکن حوض کی گہرائی ختم نہیں ہوتی۔ پھر میں نے حوض کے اندر گہرائی میں ادھر ادھر اڑنا شروع کر دیا۔ اڑتے اڑتے حوض پر اکرم کار و منہ اقدس میرے سامنے آگیا۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے پارے بتی کا روضہ نور سے بھرا ہوا ہے اور درو دیوار سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ جب یہ کیفیت ٹوٹی تو دیکھا کہ آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں۔ پھر میں دوبارہ مراقبے میں چلا گیا۔ دیکھا ہوں کہ پارے کے حوض کے اندر ایک بہت بڑا محل ہے جس کی ہر دیوار اور ہر چیز سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ حتیٰ کہ محل کے اندر جو بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں ان کی پیشانی اور وارسی بلکراسا جسم سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ میری آنکھیں اتنی زیادہ روشنی کی تاب نہ لا کر خیرہ ہو گئیں اور مراقبہ ختم ہو گیا۔

۲۲۔ اکتوبر: مراقبہ میں حوض کا تصور قائم کیا تو حوض کی بجائے میرے سامنے پارے کا وسیع سمندر آگیا۔ اس کی شعاعیں بہت چمک دار تھیں اور ان سب شعاعوں کا رنگ مرکری جیسا تھا۔ اس دوران کسی نے زور سے دستک دی اور مراقبہ ٹوٹ گیا۔ پھر میں نے دوبارہ مراقبہ شروع کیا تو بہت آسانی سے میری آنکھوں کے سامنے پارے کا حوض آگیا۔ میں نے دیکھا کہ اس حوض میں پارے کا ایک نالہ آکر گر رہا ہے۔ میں نے اس نالہ کے اوپر اپر شمال کی طرف اڑنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر بعد میں پارے سے بھرے ہوئے ایک سمندر میں پہنچ گیا۔ اس کی شعاعوں کا رنگ حوض کی شعاعوں سے زیادہ چمک دار تھا۔

۵۔ نومبر: ٹیلی پیتی کے تیسرے سبق کی مشق کر رہا تھا کہ میں نے خود کو پارے (مرکری) کے وسیع اور لامحدود سمندر میں ڈوبے ہوئے محسوس کیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے ذہن کو بہت ہلکا محسوس کیا اور دیکھا کہ میں زمین کے اوپر پرواز کر رہا ہوں اور میرے نیچے کھیت ہیں جن میں لوگ کام کر رہے ہیں۔ اڑتے اڑتے نظر دلوں کے سامنے پارے سے بھری ہوئی ایک نہر آگئی جس میں سے مرکری لائٹ کی بسریں نکل رہی تھیں۔

۹۔ نومبر: خود کو مختلف علاقوں میں سیر کرتے ہوئے پایا۔ نظر آنے والے دو چیزوں میں قدرت کے دل فریب مناظر، بارون اور جلگاتے شہر، خوبصورت عبادت گاہیں، ندیاں اور کئی کئی مندر، خوبصورت عمارتیں شامل تھیں۔ یہ سب چیزیں ذہن میں خود بخود ہی منتقل ہو گئیں۔ مجھے آج پتہ چلا کہ ذہنی سکون کیا ہے۔

دروازہ کھلا

سید اصغر علی ظفر، گوجرانوالہ

۶۔ نومبر: ٹیلی پیتی کی مشق کے دوران خود کو ایک صحرا میں کھڑے دیکھا۔ اتنے میں سفید لباس میں طوس دو نہایت حسین عورتوں پر نظر پڑی جو کچھ فاصلے پر کسی کام مشغول تھیں۔ میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے مجھ پر ایک اچھٹی نظر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ زمین پر سے مونی چن رہی ہیں میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے مجھے کیوں دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنی سری سادھی کا انتظار تھا، وہ ابھی تک نہیں آئی ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ان کی وہ سادھی

بھی آگئی۔ اور وہ جنوں اور پرکی طرف پرواز کر گئیں۔ میں نے بھی ان کے تعاقب میں اڑنا شروع کر دیا اور ان کے پیچھے پیچھے ایک بہت خوبصورت دروازے تک جا پہنچا۔ عورتوں نے دستک دی، دو سپاہیوں نے دروازہ کھولا اور وہ اندر داخل ہو گئیں۔ سپاہیوں نے مجھے روک دیا لیکن ان عورتوں نے سپاہیوں سے کہہ کر مجھے اندر آنے دیا۔

دروازے کے اندر ایک سڑک تھی جس کے دونوں طرف پودے اور فوارے لگے ہوئے تھے۔ فواروں سے پانی ابل کر سڑک پر گر رہا تھا۔ ہم اس سڑک پر آگے بڑھتے گئے۔ لیکن فوارے کے پانی سے بھیگے نہیں۔

آخری تالاب

نوراعوان، راولپنڈی

۳۔ مئی : تصور قائم نہیں ہو رہا تھا۔ اگر کبھی ہوتا تو جلد ہی ٹوٹ جاتا۔ سوچا کہ قلندر بابا سے مدد لینی چاہئے۔ یہ سوچا ہی تھا کہ قلندر بابا تشریف لائے۔ آپ نے آتے ہی مجھے ایک زوردار پیڑ مارا جس کی چوٹ سے میں گر گیا۔ دیکھا وہ پارے سے بھرا تالاب تھا جس میں میں گر تھا۔ اور یوں تصور قائم ہو گیا۔

۴۔ مئی : تصور قائم ہوا تو دیکھا کہ قلندر بابا ادلیا مسکراتے ہوئے تشریف لائے۔ سامنے ایک تالاب ہے۔ فرمایا اس میں کود جاؤ۔ جب میں اس میں داخل ہوتا ہوں تو تالاب کے اندر سے ایک مگر مجھ باہر نکلتا ہے۔ میں اس تالاب سے باہر نکلتا ہوں تو آپ مسکراتے ہوئے مجھے ایک دوسرے تالاب میں لے جاتے ہیں۔ یہاں سنہری رنگ

کی مچھلیاں تیر رہی ہوتی ہیں۔ میں بھی وہاں پر تیرتا ہوں۔ آج ہر طرف پارہ ہی پارہ دیکھا لیکن پارے کے سمت درمیں مچھلیاں، مگر مچھ اور کچھوے وغیرہ نظر آئے۔

۲۔ جون : شومی قسمت سے آج چھت پر مراقبہ شروع کیا۔ دس منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ تیز آندھی چلنے لگی۔ پھر نیچے آکر مراقبہ شروع کیا۔ پہلے عیسیٰ کی کوئی قائم نہ ہو سکی تاہم محدود کیفیت کے اندر ایک تالاب پارے سے بھرا ہوا نظر آتا رہا۔ بے دلی کے ساتھ مراقبہ ختم کر دیا۔

۵۔ جون : سانس والی مشق کے دوران خیالات آتے رہے۔ حوض کا تصور کیا تو ایک چھوڑ سات کے قریب تالاب نظر آئے۔ آخری تالاب سب سے چھوٹا تھا اور پہلا تالاب سب سے بڑا تھا۔ میں اس میں غوطہ کھا کر نیچے بیٹھ گیا۔

۶۔ جون : حوض کا تصور کیا تو فقط اللہ نظر آیا۔ جس کے اندر پارے سے بھرے ہوئے تلو کے قریب حوض ہوں گے۔ پھر چانک فقط اللہ، محمد میں تبدیل ہو گیا۔ پھر یہ بھی تبدیل ہو کر الف (ا) بن گیا۔ میں اس کے اندر جذب ہو کر باہر آیا تو دیکھتا ہوں الف پھیل کر لمبائی میں افق تک پہنچ گیا ہے۔ پھر اس میں سے لاوے کی طرح پارہ ابلنے لگا۔ پھیلتے ہوئے اس پارے میں درخت بھی ڈوب گئے۔

دانانج بخش کا منظر

ایک طالب

پارے کے حوض میں ڈوب جانے کی مشق کی تو دماغ پر بوجھ ہو گیا۔ پارے کے حوض کا تصور بن کر بگڑ جاتا ہے اور کبھی کافی اچھا تصور ہو جاتا ہے اور کبھی شکل

سے جتا ہے اور پارے کا حوض کبھی کبھی اتنا اچھا لگتا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ اس میں ڈوبی رہوں لیکن دماغ پر پارے کا وزن کافی محسوس ہوتا ہے۔ اور طبیعت مکرر سی ہو جاتی ہے، نیز اس تصور میں نیت بد بھی آ جاتی ہے۔

مراقبہ میں دیکھا کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کی جالیوں میں نور کی کرنیں جمع ہو رہی ہیں۔ دیواریں بہت خوب صورت اور دیدہ زیب ہیں اور ان پر کوئی آیت لکھی ہوئی ہے اور میں اس کو سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر شدت جذبات سے اور رونے کی وجہ سے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ یہ کیا ہے۔

۳۔ اپریل: ایسا محسوس ہوا جیسے گردن سر کا بوجھ نہیں سنبھال سکے گی۔ بہر حال مشق جاری رکھی اور پارے کے حوض کا تصور قائم ہو گیا۔ اور دیکھا کہ میں رسول خداؐ کے پائے مبارک سے پست کر خوب رو رہی ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے سر پر اپنا دست پاک و مظهر پھیر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں "خدا تمہیں کا ایسا ہی دے گا۔"

آگ کی لپٹ

محمد سران کلیم

رات کو مراقبہ کیا تو شوی مزاحمت اس حد تک بڑھ گئی کہ سر ایک بھاری بھر محسوس ہونے لگا۔ اس کے بعد مطلع صاف ہوا تو دیکھا کہ پارے کی ایک بڑی ہر اٹھی اور پوری دنیا اس کے اندر ڈوب گئی۔ جب وہ ہر گزر گئی تو پارے کے کئی حوض دیکھے۔ پھر دیکھا کہ ایک بڑی ہر آئی جس کے اوپر نور تھا اور نیچے پارہ۔ نے پوری دنیا

کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ کئی بار دنیا کے گرد گھومی۔

۱۔ جنوری: آج مراقبہ شروع کیا تو دیکھا کہ پوری دنیا ایک چھوٹے سے گولے کی شکل میں تبدیل ہو کر پارہ کے حوض میں ڈوبی ہوئی تیر رہی ہے۔ پھر میں نے خود کو زمین کے ساتھ پایا اور پوری دنیا پارے میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا پلنگ پارہ پر سوار ادھر ادھر ڈول رہا ہے اور پارہ کی اہریں مجھ سے ٹکرا رہی ہیں۔

۱۹۔ فروری: مجھے کھلی آنکھوں سے اپنا دل نظر آیا۔ اس کے اندر دیکھا تو پوری دنیا پارہ کے حوض میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔ ساری دنیا میں پارہ کا طوفان اٹھا ہوا ہے اور ہر طرف طغیانی آئی ہوئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس تصور میں گہرائی بڑھتی گئی اور ساتھ ساتھ سر پر ایک بوجھ محسوس ہوا۔ کنپٹیوں پر ایسا لگا کہ ان پر درد کی ٹیسل ٹپ رہی ہیں۔ پھر یہ میس ختم ہو گئیں اور میں سو گیا۔

۲۔ فروری: آج مراقبہ شروع کرنے سے پہلے سانس کی مشق کی تو تھوڑی سی گرمی شروع ہوئی جو ہر سانس کے ساتھ بڑھتی ہی گئی۔ آخر سانس نکالتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ میری سانس کے ساتھ آگ کی پست نکل رہی ہے اور ریڑھ کی ہڈی میں کوئی چیز ہل رہی ہے۔ پھر مراقبہ کیا تو حسب معمول فوراً ہی تصور بند ہو گیا اور طبیعت پر سکون ہو گئی۔

ہدایت:

مراقبہ کرنے سے پہلے ایک گلاس پانی میں شہد گھول کر پی لیا کریں۔ پانی آہستہ آہستہ گھونٹ گھونٹ کر بے پیس۔ کھانوں میں نمک کی مقدار کم کر دیں۔

باطنی آنکھ

راجہ محمد نوید، لاہور

سوال: میں نے ٹیلی ویشن کی جتنی کتابیں پڑھی ہیں سب میں ہدایت کی گئی ہے کہ ٹیلی ویشن کی مشقیں شمال رخ نہ کر کے کی جائیں۔ شائقین ٹیلی ویشن کے لئے آپ نے اب تک جتنے اسباق لکھے ہیں ان میں سے کسی بھی سبق میں سمتوں کے تعین کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا۔ سوال یہ ہے کہ مشقوں کے دوران شمال رخ نہ کر کے بیٹھا اگر ضروری ہے تو اس کی کیا وجہ ہے اور آپ نے سمتوں کا تعین کیوں نہیں کیا؟

جواب: آدمی کے اندر دو دماغ کام کرتے ہیں۔ ایک دماغ ظاہر ہواں بناتا ہے اور دوسرا دماغ ظاہر ہواں کے پس پردہ کام کرنے والی اس یکینسی کی تحریکات کو منظم عام پر لاتا ہے جو ظاہر ہواں کے الٹ ہے۔ جن حواس سے ہم کشش ثقل میں متبصر چیزوں کو دیکھتے ہیں اس کا نام شعور ہے اور جن حواس میں ہم کشش ثقل سے آزاد ہو جاتے ہیں اس کا نام لاشعور ہے۔ شعور اور لاشعور دونوں اہروں پر قیام پذیر ہیں۔ شعور حواس میں کام کرنے والی اہر میں مثلث (TRIANGLE) ہوتی ہیں۔ اور لاشعور حواس میں کام کرنے والی اہر میں دائرہ (CIRCLE) ہوتی ہیں۔

زمین کی حرکت دو رخ پر قائم ہے۔ ایک رخ کا نام طولانی حرکت ہے اور

دوسرے رخ کا نام محوری حرکت ہے۔ یعنی زمین جب اپنے مدار پر سفر کرتی ہے تو وہ طولانی گردش میں توجہ ہو کر چلتی ہے اور محوری گردش میں لٹو کی طرح گھومتی ہے۔

ہر ظہر دو رخ پر قائم ہے۔ ایک رخ ہمیں گوشت کی آنکھ سے نظر آتا ہے اور دوسرا رخ ہم باطنی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ دو رخ دراصل دو حواس ہیں۔ حواس کے ایک رخ کا نام شعور اور دوسرے رخ کا نام لاشعور ہے۔ شعور حواس میں ہم ٹائم اسپیس (TIME and SPACE) میں بست ہیں اور لاشعور حواس میں ٹائم اسپیس سے آزاد کر دیتے ہیں۔

یہ دونوں حواس ایک ورق کی طرح ہیں۔ ورق کے دونوں صفحات پر ایک ہی تحریر لکھی ہوئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ورق کے ایک صفحہ پر عبارت ہمیں روشن اور واضح نظر آتی ہے اور دوسرے صفحہ پر دھندلی اور غیسر واضح نظر آتی ہے۔ دھندلی اور غیسر واضح تحریر لاشعور ہے۔

ہم جب کوئی مادیاتی چیز دیکھتے ہیں تو دراصل یہ صفحہ کی دھندلی تحریر کا عکس ہوتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ وہ نظر جس کو غیسری آنکھ کہا جاتا ہے، کھل جاتی ہے۔ چونکہ اس طرح دیکھنا ہماری روزمرہ دیکھنے کی عادت کے خلاف ہے، اس لئے شعور پر ضرب پڑتی ہے۔ اس عادت کو معمول پر لانے کے لئے ہم شعوری حواس کے ساتھ لاشعوری حواس کی طرف توجہ ہونا پڑتا ہے۔ جیسے جیسے ہم لاشعوری میں دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں، شعور کی طاقت میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے زمین اپنی طولانی اور محوری گردش میں چل رہی ہے۔ طولانی گردش TRIANGLE ہے اور محوری گردش دائرہ (CIRCLE) ہے۔

ہماری زمین پر تین مخلوق آباد ہیں۔ انسان، جنات اور ملائکہ عنقریب۔ انسان کی تخلیق میں بحیثیت گوشت پرست، مثلث غالب ہے۔ اس کے برعکس جنات میں دائرہ غالب ہے اور فرشتوں کی تخلیق میں جنات کے مقابلے میں دائرہ زیادہ غالب ہے۔ انسان کے بھی دو رخ ہیں۔ غالب مثلث اور مغلوب رخ دائرہ۔ جب کسی بندہ پر مثلث کا غلبہ کم ہو جاتا ہے اور دائرہ غالب آجاتا ہے تو وہ جنات، فرشتوں اور دوسرے ستاروں میں آباد مخلوق سے متعارف ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ متعارف ہو جاتا ہے بلکہ ان سے گفتگو بھی کر سکتا ہے۔ طوائف گردش شرق اور مغرب کی سمت میں سفر کرتی ہے اور محوری گردش شمال سے جنوب کی طرف روال دواں ہے۔

شلی پیتی اور مادیات علوم حاصل کرنے کے لئے شمال کی سمت اس لئے متعین کی جاتی ہے کہ شمال جنوب میں سفر کرنے والی تخلیقی لہروں کا وزن صاحب مشق کے شعور پر کم سے کم پڑے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی دریا میں اپنے ارادے سے اترتا ہے تو اس کے حواس سطل نہیں ہوتے لیکن اگر کسی آدمی کو بے خبری میں دھکا دے دیا جائے تو اس کے حواس غیر متوازن ہو سکتے ہیں۔ خود اختیاری عمل سے انسان بڑی سے بڑی افتاد کاہنتے کیلئے مقابلہ کر لیتا ہے جب کہ ناگہانی طور پر کسی افتاد سے وہ پریشان ہو جاتا ہے۔

ہم نے کسی سمت کا تعین اس لئے نہیں کیا ہے کہ اب تک شلی پیتی کا سبق براہ راست پیش نہیں کیا گیا ہے۔ جتنے اسباق شائع ہوئے ہیں ان کا منشاء ذہنی یک سوئی پیدا کرنا ہے۔ ذہنی یک سوئی حاصل کرنے کے لئے سمت کا تعین ضروری نہیں ہے۔

تصور کی صحیح تعریف

جمشید احمد محمد صفدر، راولپنڈی

سوال: آپ نے شلی پیتی کی جو شقیں تجویز کی ہیں ان میں تصور کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تصور سے آپ کی کیا مراد ہے اور تصور کی صحیح تعریف کیا ہے؟ کیا مشق کے دوران خود کو ترغیبات دینا ہے کہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ روشنی یا نور کا سمندر ہے اور ساری کائنات اس نور میں ڈوبی ہوئی ہے یا تصور سے کچھ اور مراد ہے؟

جواب: روزمرہ کا مشاہدہ یہ ہے کہ ہم جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہ چیز یا اس کے اندر محنویت ہمارے اوپر آشکارا ہو جاتی ہے۔ کوئی چیز ہمارے سامنے ہے لیکن ذہنی طور پر ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو وہ چہرہ ہمارے لئے بسا اوقات کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہم گھر سے دفتر جانے کے لئے ایک راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جب ہم گھر سے روانہ ہوتے ہیں تو ہمارے ذہن کی مرکزیت صرف دفتر ہوتا ہے یعنی یہ کہ ہمیں وقت مقررہ پر دفتر پہنچنا ہے اور وہاں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں۔ اب راستہ میں بے شمار مختلف انواع چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں اور انہیں ہم دیکھتے ہیں لیکن دفتر پہنچنے کے بعد کوئی صاحب اگر ہم سے سوال کریں کہ راستے میں آپ نے کیا کچھ دیکھا تو اس بات کا ہمارے پاس ایک ہی جواب ہوگا کہ ہم نے

دھیان نہیں کیا حالانکہ چیزیں سب نظر کے سامنے سے گزریں لیکن چونکہ کسی بھی چیز میں ذہنی مرکزیت قائم نہیں ہوتی اس لئے حلقہ پر اس کا نقش مرتب نہ ہو سکا۔

قانون یہ بتا کہ جب ہم کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہ چیز اور اس چیز کے اندر مضمونیت ہمارے اوپر منکشف ہوتی ہے۔ ہم کوئی کتاب پڑھتے ہیں جو بہت دلچسپ ہے۔ دل چسپی کی بنا پر کئی گھنٹے گزر جاتے ہیں۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب کا مطالعہ چار یا پانچ گھنٹے کیا ہے تو ہمیں یقین نہیں آتا لیکن چونکہ گھڑی ہمارے سامنے ہے اس لئے ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کے برعکس ایک ایسی کتاب آپ پڑھتے ہیں جس کا مضمون آپ کی دل چسپی کے برعکس ہے تو پانچ دس منٹ پڑھنے کے بعد ہی طبیعت پر بوجہ محسوس ہونے لگتا ہے اور بالآخر وہ کتاب چھوڑ دیتے ہیں۔ اس مثال سے دوسرا قانون یہ بتا کہ ذہنی مرکزیت کے ساتھ ساتھ اگر دل چسپی بھی قائم ہو تو کام آسان ہو جاتا ہے۔ جہاں تک دل چسپی کا تعلق ہے اس کی حدود اگر متعین کی جائیں تو وہ دور رخ پرف سائیم ہیں جن کو عرب عام میں ذوق و شوق کہا جاتا ہے یعنی ایک طرف کسی چیز کی مضمونیت کو تلاش کرنے کی جستجو ہے اور دوسری طرف اس جستجو کے نتیجے میں کوئی چیز حاصل کرنے کا شوق ہے۔

ذوق اور شوق کے ساتھ جب کوئی بندہ کسی راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ راستہ دین کا ہو یا دنیا کا، اس کے نتائج مثبت مرتب ہوتے ہیں۔ ٹیلی مینی کی مشقوں میں تصور کا منشاء یہی ہے کہ آدمی ذوق و شوق کے ساتھ ذہنی مرکزیت اور اس کے نتیجے میں باطنی علم حاصل کرے۔ چونکہ یہ علم کتابی علم نہیں ہے اس لئے اس علم کو پسکھنے کے لئے ایسے طریقے اختیار کرنا لازم ہیں جو مرد جب طریقوں سے بالا ہوں۔ رُوح نوز ہے، روشنی ہے، روحانی

علوم بھی نور ہیں، روشنی ہیں۔ نور یا امروں کا عالم نور یا امروں کے ذریعے ہی منتقل ہو سکتا ہے ہم جب نور کا تصور کرتے ہیں تو نور کی لہریں یعنی علم روحانیت کی روشنیوں ہمارے ذوق و شوق کے مطابق ہمارے اندر منتقل ہونے لگتی ہیں۔

تصور کی مشقوں سے بھرپور فوائد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صاحب مشق جب آنکھیں بند کر کے تصور کرے تو اسے خود سے اور ماحول سے بے نیاز ہو جانا چاہیے، اتنا بے نیاز کہ اس کے اوپر سے بتدریج ٹائم اور اسپیس کی گرفت ٹوٹنے لگے۔ یعنی اس تصور میں اتنا انہماک ہو جائے کہ وقت گزرنے کا مطلق احساس نہ رہے۔ کتاب کا دل چسپ مضمون پڑھنے کی مثال پیش کی جا چکی ہے۔

تصور کے ضمن میں اس بات کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اگر آپ نور کا تصور کر رہے ہیں تو آنکھیں بند کر کے کسی خاص قسم کی روشنی کو دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ صرف نور کی طرف دھیان قائم کریں۔ نور جو کچھ بھی ہے اور جس طرح بھی ہے از خود آپ کے سامنے آئے گا۔ اصل مدعا کسی ایک طرف دھیان کر کے ذہنی یکسوئی حاصل کرنا اور منتشر خیال سے نجات پانا ہے۔ جس کے بعد باطنی علم کڑی در کڑی ذہن پر منکشف ہونے لگتا ہے۔ تصور کا مطلب اس بات سے کافی حد تک پورا ہوتا ہے جس کو عرب عام میں 'بے خیال ہونا' کہا جاتا ہے۔

ہم اگر کھلی یا بند آنکھوں سے کسی چیز کا تصور کرتے ہیں اور تصور میں خیالی تصویر بن کر اسے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ عمل ذہنی کسوٹی کے احاطے میں نہیں آتا۔ ذہنی یکسوئی سے مراد یہ ہے کہ آدمی شعوری طور پر دیکھنے اور سننے کے عمل سے بے خبر ہو جائے۔ قانون یہ ہے کہ آدمی کسی لمحے بھی حواس سے ماورا نہیں ہو سکتا۔ جب

ہمارے اور شعوری حواس کا غلبہ نہیں رہتا تو میکاکی (AUTOMATIC) طور پر
لا شعوری حواس متحرک ہو جاتے ہیں اور لا شعوری حواس سے متعارف ہونا ہی ماورائی
علوم کا عرفان ہے۔



ٹیلی پیچی کا چوتھا سبق

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں تھنا بند کر لیں اور بائیں نیتھنے
سے دس سیکنڈ تک سانس کھینچ کر سیدھے ہاتھ کی چھنگلیا سے بائیں تھنا بند کر لیں
اور میں سیکنڈ تک سانس روکے رہیں۔ میں سیکنڈ کے بعد دائیں نیتھنے سے دس سیکنڈ
تک سانس خارج کریں۔ اب دوبارہ دائیں نیتھنے سے سانس دس سیکنڈ تک بند
کھینچیں۔ بائیں نیتھنے پر سے چھنگلیا ہٹا کر دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں تھنا
بند کر لیں اور سانس کو سیس سیکنڈ تک روکے رکھیں پھر بائیں نیتھنے سے سانس کو میں سیکنڈ
تک نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔ اس طرح اس عمل کو میں مرتبہ دہرایا جائے۔ یہ
مشق بھی خالی معدہ صبح سورج نکلنے سے پہلے اور رات کو سونے سے قبل خالی
پیٹ کرنی چاہیے۔ ٹیلی پیچی کے تمام طلباء و طالبات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ رات
کا کھانا بہت ہلکا اور مغرب کے وقت کھالیں۔ کھانے اور سانس کی مشق کے درمیان
کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا ضروری ہے۔

سانس کی اس مشق کے بعد اس طرح بیٹھ جائیں کہ اعصاب ڈھیلے اور
پر سکون رہیں۔ آنکھیں بند کر کے تصور کریں کہ ایک گیند ہے اور گیند کے اندر
نیلے رنگ کی روشنیاں بھری ہوئی ہیں اور یہ روشنیاں سورج کی کرنوں کی طرح آپ

کے اوپر پڑ رہی ہیں اور یہ روشیناں آپ کے دماغ میں جذب ہو کر پورے جسم میں سے دور کرتی ہوئی پیروں سے نکل رہی ہیں۔ اس تصور میں گہرائی واقع ہونے پر پہلے دماغ میں ہلکا پن محسوس ہوتا ہے۔ پھر کشش ثقل ختم ہو جاتی ہے۔ جب بند آنکھوں سے یہ تصور قائم ہو جائے تو اس مشق کو کھلی آنکھوں سے کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آپ خود اور یہ ساری دنیا گیت کے اندر بند ہے اور گیت کے اندر نیلے رنگ کی روشیناں بھری ہوئی ہیں۔ اس مشق کی تکمیل کے بعد آدمی خود کو اتنا ہلکا محسوس کرتا ہے کہ جب وہ زمین پر چلتا ہے تو یہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ ہوا میں چل رہا ہو۔

اس مشق کے دوران یہ احتیاط ضروری ہے کہ یہ عمل ایسے وقت نہ کیا جائے جب آپ سڑک پر چل رہے ہوں۔ اس لئے کسی بھی وقت آپ کشش ثقل سے آزاد ہو سکتے ہیں اور زمین آپ کے پیروں سے نکل سکتی ہے۔ اگر سڑک پر چلتے ہوئے یہ کیفیت از خود مل رہی ہو جائے تو سڑک پر سے ہٹ کر فٹ پاتھ پر چلیں اور چلتے وقت قدم جما کر رکھیں تاکہ آپ کسی راہ چلتے آدمی سے ٹکرائیں نہیں۔ گھر میں یہ عمل کیا جاسکتا ہے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۲۶ عناصر

سوال: آپ نے بتایا ہے کہ اب تک جتنے اسباق لکھے گئے ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو ذہنی یکسوئی اور خیالات کی پاکیزگی حاصل ہو جائے۔ کیا آپ براہ راست ٹیلی پتھی کی مشقیں تجویز کر کے، کورس کی مدت مختصر نہیں کر سکتے؟ ٹیلی پتھی کی مشقیں کرنے سے از خود ذہنی یکسوئی ہو جاتی ہے تو پھر آپ کیوں خواہ مخواہ مشقوں کو طول دے رہے ہیں؟

جواب: انسان ان ہی حقیقتوں کو سمجھنے اور پالنے کی کوشش کرتا ہے جن کی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ ان میں زیادہ حقیقتیں ایسی ہیں جو موجود ہونے کے باوجود ہمارے دائرہ احساس یا شعور میں نہیں آتیں۔ شعور کے دائرہ کار میں رہ کر ہم لاکھ کوششیں کریں لیکن ہم ان حقیقتوں کو اپنے اعصابی نظام اور گوشت پوست کے دماغ سے نہیں پہچان سکتے۔ جب ہم ان اہل حقیقتوں کی چھان بین کرتے ہیں تو اس ادراک کی بنیاد وہ عمل نہیں ہوتا جس میں شعوری حواس اور اعصاب کا دخل ہوتا ہے۔ اور ہماری عقل ان گتیاں کو سلجھانے سے قاصر نظر آتی ہے عقل علی تجربہ کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہے جب کہ غیب میں آباد دنیا کے رموز و نکات کا تعلق لا شعوری حواس سے ہے۔

جدید سائنس کی دوسری ایک سوچیں عناصر سے مرکب ہے۔ آگ، پانی

ہوا، مٹی، ہائڈروجن، ریڈیم، کاربن، نائٹروجن.... وغیرہ۔ غرضیکہ جتنے بھی عناصر مل کر کسی مادہ کی تشکیل و تخلیق کرتے ہیں وہ سب آدمی کے اجزائے ترکیبی میں بھی شامل ہیں۔ جب ہم مادی اعتبار سے آدمی، حیوانات، چرندے، پرندے، درندے، ذی روح اور غیر ذی روح مخلوق کا تجزیہ کرتے ہیں تو سب ایک صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ آدمی جہاں افضل ہو کر انسان بنتا ہے اور اس میں جو چیز تمام مخلوق سے افضل و علیٰ ہے وہ اس کی قوت ارادی ہے۔ انسان اپنی قوت ارادی سے نہ صرف یہ کمر فانی حاصل کر لیتا ہے بلکہ اس کے سامنے کائنات سرنگوں ہو جاتی ہے۔

زمین پر سے خس و خاشاک دور کرنے کے بعد کوئی پودا لگا دیا جائے تو وہ جلد نشو و نما پاتا ہے اور جوان ہو کر اچھا پھل دیتا ہے۔ اسی طرح جب ذہن کو پوری طرح صاف کر کے کسی نئے علم کا پودا اس میں لگایا جائے تو وہ بہت جلد برگ و بار لاتا ہے اور سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔ جس طرح آپ اپنے جسم کا فاسد مادہ خود ہی خارج کر دیتے ہیں یا وہ قدرتی نظام کے تحت خارج ہو جاتا ہے اسی طرح ایمان، جذبات اور خیالات کی کثافت کا اخراج ہونا بھی ضروری ہے۔ جب تک دماغ جذبات و خیالات کی کثافت سے صاف نہیں ہوتا آدمی روحانی ترقی نہیں کر سکتا۔ اس صفائی کو حاصل کرنے کے لئے براہ راست ٹیلی پیٹھی شروع کرنے سے پہلے ہم نے ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کے اسباق تجویز کئے ہیں۔

پیراسائیکالوجی (PARAPSYCHOLOGY) کی رُود سے مادی طاقت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دماغ کی کارکردگی اور دماغ کے کمپیوٹر کو سمجھ لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب تک ہم عملاً اس مادی نظام سے الگ ہو کر دماغ کی طرف متوجہ

نہیں ہوں گے۔ دماغ کی کارکردگی اور دماغ میں موجود مخفی صلاحیتیں ہم سے سامنے نہیں آئیں گی۔ ان مخفی اور لامحدود صلاحیتوں سے آشنا ہونے کے لئے یہ امر لازم ہے کہ ہم اس بات سے واقف ہوں کہ مفروضہ حواس کی گرفت سے آزاد ہونا کس طرح ممکن ہے۔

جہاں تک طویل انتظار کا تعلق ہے، کائنات کے تخلیقی فارمولوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر گزرنے والا لمحہ آنے والے لمحات کے انتظار کا پیش خیمہ ہے۔ انتظار بجائے خود زندگی ہے۔ بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی اور جوانی بڑھاپے کے انتظار میں گزرتی ہے۔ اگر آج پیدا ہونے والے بچے کی زندگی میں آنے والے ساٹھ سالوں پر محیطا بڑھاپا چپکا ہوا اور چھپا ہوا نہ ہو تو پیدا ہونے والا بچہ پنکڑ سے باہر نہیں آئے گا، نشو و نما رک جائے گی، کائنات ٹھہر جائے گی، چاند سورج اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔

جب ہم زمین میں کوئی بیج ڈالتے ہیں تو یہ دراصل اس انتظار کے عمل کی شروعات ہے کہ یہ بیج پھول بن کر کھلے گا۔



آنتینا (ANTENNA)

سوال: یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ زندگی کا قیام سانس کے اوپر ہے سانس جاری ہے تو زندگی برقرار ہے اور جب سانس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو زندگی بھی راہ عدم اختیار کرتی ہے۔ درخواست ہے کہ آپ ہم طلباء و طالبات کو یہ بتائیں کہ ماورائی علوم حاصل کرنے میں سانس کی مشقیں کیوں ضروری ہیں اور سانس کی حرکیں حیثیت کیا ہے؟

جواب: تخلیقی فارمولوں پر غور کیا جائے اور اللہ کے بیان کردہ قوانین میں تفکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات اور کائنات کے اندر تمام مظاہرات کی تخلیق دو رخ پر کی گئی ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں سانس کے بھی دو رخ متعین ہیں۔ ایک رخ یہ ہے کہ آدمی سانس اندر لیتا ہے اور دوسرا رخ یہ ہے کہ سانس باہر نکالا جاتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں گہرائی میں سانس لینا صعودی حرکت ہے اور سانس کا باہر آنا نزولی حرکت ہے۔ صعود اس حرکت کا نام ہے جس حرکت میں تخلیق کا ربط براہ راست خالق کائنات کے ساتھ قائم ہے اور نزول اس حرکت کا نام ہے جس میں بسندہ قائم اسپیس

(TIME SPACE) کا پابند ہے۔

جب کچھ نہ تھا، اللہ تھا۔ جب اللہ نے چاہا بشمول کائنات ہمیں تخلیق کر دیا تخلیق کی بنیاد (BASE) اللہ کا چاہنا ہے۔ اللہ کا چاہنا اللہ کا ذہن ہے مطلب یہ ہوا کہ ہمارا اصل وجود اللہ کے ذہن میں ہے۔ قانون یہ ہے کہ جب تک شے کی وابستگی اصل سے برقرار نہ رہے کوئی شے قائم نہیں رہ سکتی۔ اس وابستگی کا قیام مظاہراتی خدو خال میں صعودی حرکت سے قائم ہے۔ اس کے برعکس ہمارا ایک جسمانی شخص بھی ہے۔ اس جسمانی اور مادی شخص کی بنائے ہوئی حرکت ہے۔

پوری کائنات اور اس کے اندر تمام مظاہرات ہر لمحہ اور ہر آن ایک سرکل (CIRCLE) میں سفر کر رہے ہیں اور کائنات میں ہر لمحہ ایک دوسرے سے آشنا اور متعارف ہے۔ تعارف کا یہ سلسلہ خیالات پر مبنی ہے۔ سانس نے آپس میں اس تبادلہ خیال اور رشتہ کو توانائی کا نام دیا ہے۔ سانس کی رو سے کائنات کی کسی شے کو خواہ وہ مرنی ہو یا غیر مرنی کیفیت فنا نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مادہ مختلف ڈائیوں میں نقل مکانی کر کے توانائی بن جاتا ہے اور توانائی روپ بدل بدل کر سامنے آتی رہتی ہے۔ مکمل موت کسی پر وارد نہیں ہوتی۔ تصوف میں اسکی توانائی کو روح کا نام دیا گیا ہے۔ روح کو جو علم و ولایت کر دیا گیا ہے وہی خیالات، تصورات اور احساسات بنتا ہے۔ یہ خیالات اور تصورات ہروں اور شعاعوں کے دوش پر ہر وقت، ہر لمحہ اور ہر آن معروف و معلوم رہتے ہیں۔ اگر ہمارا ذہن ان ہروں کو پڑھنے اور ان کو حرکت دینے پر قدرت حاصل کرتے تو ہم کائنات کے تصویر خانوں میں خیالات کے رو و بدل سے واقف حاصل کر کے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس سانس کے اوپر کنٹرول حاصل کر لیں جو صعودی حرکت ہے۔

سائنس کا گہرائی میں جانا لاشعور ہے اور سائنس کا گہرائی سے مظاہراتی سطح پر
آنا شعور ہے۔ شعوری زندگی حرکت میں ہوتی ہے تو لاشعوری زندگی پر دے میں چلی
جاتی ہے اور لاشعوری زندگی میں شعوری حرکات مغلوب ہو جاتی ہیں۔ ماورائی علوم
سے آشنا ہونے کے لئے لاشعوری تحریکات سے باخبر ہونا ضروری ہے اور یہ اس
وقت ممکن ہے جب گہرائی میں سائنس لینے پر اختیار حاصل ہو جائے اور ہمارے اندر
مرکزیت اور توجہ کی صلاحیتیں بروئے کار آجائیں۔ یاد رکھئے ہمارے اثر (INNER)
میں نصب شدہ اینٹینا (ANTENNA) اسی وقت کچھ نشر کرنے یا قبول کرنے کے قابل
ہوتا ہے جب ذہن میں توجہ اور مرکزیت کی صلاحیتیں وافر مقدار میں موجود ہوں۔ ان
صلاحیتوں کا ذخیرہ اس وقت فعال اور متحرک ہوتا ہے جب ہم اپنی تمام تر توجہ یکسوئی اور
صلاحیتوں کے ساتھ شعوری حرکت میں ڈوب جائیں۔

ماورائی علوم سیکھنے کے لئے مضبوط اعصاب اور طاقتور دماغ کی ضرورت ہے
اعصاب میں لچک پیدا کرنے، دماغ کو متحرک رکھنے اور قوت کارکردگی بڑھانے کے
لئے سائنس کی مشقیں بے حد مفید اور کارآمد ہیں۔ جب کوئی مبتدی سائنس کی مشقوں
پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے تو اس کے دماغ کے اندر باریک ترین ریشوں اور خلیوں
(CELLS) کی حرکات اور عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔ اثر (INNER) میں سائنس
روکنے سے دماغ کے خلیات (CELLS) چارج ہو جاتے ہیں جو انسان کی خفیہ
صلاحیتوں کو بیدار ہونے، ابھرنے اور پھلنے پھولنے کے بہترین مواقع فراہم
کرتے ہیں۔



کیفیات و واردات سبق ۲۴

سید اصغر علی ظفر

۲۴۔ نومبر: آج سے چوتھے سبق کا آغاز کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم
سے تصور قائم ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ روشنیوں کا آبشار میرے اوپر گرج رہا ہے اور یہ
روشنیاں سر میں سے جذب ہو کر پیروں کے ذریعے EARTH ہو رہی ہیں۔ جس
وقت روشنیاں سر میں جذب ہوتی ہیں ان کا رنگ نیلا ہوتا ہے اور جب زمین
میں ارتعاش ہوتی ہیں تو بے رنگ ہو جاتی ہیں۔ یوں سمجھئے کہ رنگین لہروں کا رنگ میرے
جسم میں پیوست ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد دیکھا کہ میں ایک گلوب میں ہوں اور اس
اس گلوب کے اندر نیلا رنگ بھرا ہوا ہے۔ یکایک ایک وسیع و عریض گنبد پر
نظر پڑی جس کا رنگ بہتر تھا۔

صبح کی مشق کے دوران دیکھا کہ میرا سر کھل گیا اور روشنیوں کے دو مجسم پرت
میرے سر پائے میں داخل ہو گئے اور انہوں نے میرے اندر صفائی شروع کر دی۔ پھر
یہ مجسم پرت روشنی میں تحلیل ہو کر پیروں کے راستے باہر نکل گئے۔ روحانی یا جسمانی
صفائی کے بعد کئی شعاعیں تیزی کے ساتھ میرے جسم میں داخل ہونے لگیں۔

۲۵۔ نومبر: شق کے دوران گنبد کی طرف خیال چلا گیا۔ دیکھا کہ جو روشنی

نیچے آ رہی ہیں وہ اصل میں سفید رنگ کی ہیں لیکن گہند میں سے گزرتے ہی نیلی ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ گہند کی چھت پر رنگوں کے دائرے بنے ہوئے ہیں۔ پہلا دائرہ بڑے قطر کا ہے۔ پھر اس سے چھوٹا۔ پھر دائروں کے قطر بتدریج چھوٹے ہوتے چلے گئے۔ ان دائروں میں موتی اور خوبصورت پتھر جڑے ہوئے ہیں۔ پھر دیکھا کہ گرتی ہوئی روشنیوں کا رنگ وقفے وقفے سے تبدیل ہو رہا ہے۔ اور میرا جسم مقناطیس کی طرح کھینچ کر اس کو اپنے اندر جذب کر رہا ہے۔

۲۔ نمبر: دیکھا کہ کوئی پسینہ اگر گہند کی چھت پر بیٹھ گئی۔ اور اس کو ہلانا شروع کر دیا۔ گہند کا ہلنا تھا کہ گرمی ہوئی روشنیوں میں شدت پیدا ہو گئی۔ روشنی کی اس موسلا دھار بارش کو میں اپنے جسم پر محسوس کر رہا تھا۔ اور کبھی کبھی میرے اوپر کبھی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ یہ روشنیاں کہاں سے آتی ہیں؟ پتہ چلا کہ گہند کی چھت پر ایک اینٹینا ٹاٹا اور ہے جو فضا سے روشنیوں کو جذب کر کے دائروں اور موتیوں کے ذریعے گہند کے اندر بکھیر رہا ہے۔

۳۔ نمبر: طرح طرح کے خوبصورت مناظر دیکھے۔ عالی شان عمارتیں باغات، پھول، پورے تالاب۔ یہ سب ٹرانسپیرنٹ تھے اور ہر طرف روشنیوں کا دور دورہ تھا۔

احساس محترمی کے نجات

محمد سلیم قریشی، لاہور

پچھلے کئی ہفتوں سے دن میں اکثر خوبصورت نیلے رنگ کی روشنی چمکتی ہوئی نظر

آتی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو بات ذہن سوچتا ہے وہ ہو جاتی ہے۔ میں نے اس عرصے میں خاص طور پر ایک بات نوٹ کی ہے کہ پہلے میں احساس کمتری کی بنا پر کسی سے بات کرتے وقت اس سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا لیکن اب میں ہر شخص سے خود اعتمادی کے ساتھ بات کر سکتا ہوں۔

۸۔ فروری: پہلے سفید روشنیوں کے جھماکے ہوتے رہے۔ اس کے بعد زرد روشنی کی لہریں دکھائی دیں۔ پھر دیکھا کہ خانہ کعبہ ہے اور لوگ طواف کر رہے ہیں اس منظر کو میں نے کافی اونچائی سے دیکھا۔ اس کے علاوہ اور بھی چیزیں نظر آئیں لیکن یاد نہیں رہیں۔ ایک دفعہ ایسا لگا جیسے کر کے نچلے جسم سے کوئی چمکی ہوئی چیز نیچے اتر رہی ہے۔ ۱۵۔ فروری: پہلے زرد رنگ کی لہریں ناک کی طرف سے آتی تھیں۔ اس کے بعد نظر آیا کہ بہت سے لوگ ایک قطار میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ یکایک کسی نے زمین پر کوئی چیز پھینکی۔ اس کے چھینٹے ادھر ادھر بکھرے اور میں ان سے اپنا منہ بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس کے بعد چھوٹے سائز میں سفید رنگ کی چمک دار خوبصورت لہریں ناک کے پاس سے گزریں۔ لگ رہا تھا کہ جیسے کافی وقت گزر چکا ہے۔ آج سر میں ہلکا سا درد ہوا۔

۱۲ فروری: آج زرد لہروں کو ساکت حالت میں دیکھا۔ پھر دیکھا کہ سفید رنگ کے تختے ہیں اور ان پر کالے رنگ سے کچھ لکھا ہوا ہے۔

ملک حق نواز

۲۰۔ فروری: مشق کے بعد سونے کے لئے لیٹا تو میرے دل سے کرنٹ نکل کر سارے جسم میں سرایت کر گیا اور جسم اس کی شدت سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس

کے بعد دیکھا کہ میرے سامنے سے اندھیرا چھٹ گیا ہے۔

محمد لطیف، کراچی

۲۹۔ اپریل : مراقبہ شروع کیا تو کالے رنگ کے دائرے نظر آئے لیکن کچھ ہی دیر بعد بائیں آنکھ کے اوپر ایک روشن گولہ نظر آیا۔ پھر ایک دم مجھے اپنے چاروں طرف نور ہی نور نظر آیا۔ پھر وقفے وقفے سے نور کے جھماکے ہوتے رہے۔

۴۔ مئی : آج آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی کسی چیز کا سایہ چلتا ہوا نظر آیا۔ پھر سفید لہریں نظر آئیں۔ اس کے بعد بائیں آنکھ کے سامنے روشنی نظر آئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد دائیں آنکھ کے سامنے بھی روشنی نظر آئی۔ پھر ایک لمحے کے لئے میں اس سفید روشنی میں ڈوب گیا۔

ایم اے، راولپنڈی

۱۰۔ مئی : شیشے کا بنا ہوا ایک گنبد ہے۔ اس میں سے روشنی نکل کر میرے سر پر پڑ رہی ہے۔ یہ ایک ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے گنبد کو چھیڑ دیا ہو اور بہت ہی گرمی میرے سر میں سے ہو کر پیروں میں سے ہوتی ہوئی زمین میں جذب ہو گئی۔ یہ کیفیت تقریباً ۸ سیکنڈ قائم رہی۔

۱۶ مئی : دیکھا کہ سفید رنگ کا گنبد ہے۔ اور اس کا رنگ تبدیل ہو رہا ہے۔

بھی سبز ہو جاتا ہے اور کبھی نیلا۔

سونے کے محل

محمد جہانگیر نسیم

۶۔ جنوری : خدا خدا کر کے تصور قائم ہوا اور ساتھ ہی قیصری مشق کے دوران مراقبہ ہونے والی کیفیات کا تصور بھی آتا رہا۔ دیکھا کہ جب روشنی میرے دماغ کے اندر جاتا ہوتا ہے تو دماغ بھارتی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خود کو ایک چوکور چیز میں پرواز کرتے دیکھا۔ دوران مراقبہ ایک بزرگ بھی دکھائی دیئے جو کبھی میسرے کی شکل کے بن جاتے اور کبھی میں ان کی شکل کا بن جاتا۔ صبح کی متازاد کر رہا تھا تو محسوس ہوا کہ میں خلا میں متازاد کر رہا ہوں۔

۷۔ جنوری : آنکھوں کے سامنے سونے کے محل کی طرح کوئی چیز آگئی۔ جس میں حضرت عائشہؓ کھڑی ہوئی تھیں۔ لیکن چہرہ مبارک دوسری طرف تھا۔

۱۱۔ جنوری : مراقبہ میں جاتے ہی غنودگی چھا گئی۔ اس عالم میں خود کو ایک غار کے اندر دیکھا۔ جسم میں کوئی چیز برقی رو کی طرح گردش کرتی رہی۔ سر کے دائیں جانب کوئی چیز سرکتی ہوئی اور ساتھ ہی کوئی ٹھنڈی چیز دماغ میں سنسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ پھر ایک خوبصورت باغ دکھائی دیا۔ اس کی چار دیواری سونے اور چاندی کی طرح تھی۔ فرش کا رنگ سبز تھا۔ پھر میں نے خود کو ایک گنبد پر کھڑا دیکھا۔ ابھی گنبد پر ہی تھا کہ آسمان سے انسانی شکل کا ایک گروہ میری طرف آنا دکھائی دیا۔ گنبد پر اتار کر انہوں نے کہا کہ ہم تم کو اپنے ساتھ لینے آئے ہیں۔ اور ان میں سے ایک بزرگ نے تخت پر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ تخت تیزی سے پرواز کرتا ہوا آسمان پر جا پہنچا۔ وہاں پر بہت خوبصورت چیزیں دیکھیں۔ بہت سے لوگ بھی تھے۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا، کوئی کچھ۔ ان میں سے ایک روٹی کھا رہا تھا۔ اس نے مجھے بھی روٹی دی۔ پھر وہ مجھے ایک چمک دار سفید کمرے میں لے گیا اور کہا کہ یہ آپ کا کمرہ ہے۔ کمرہ اتنا سفید تھا کہ اندر کی چیزیں صاف

دکھائی دیتی تھیں یعنی اس کی دیواریں بالکل تیشے کی طرح ٹرانسپیرنٹ تھیں۔ میں کمرے کے اندر گیا۔ ابھی دوسرے دروازے کی طرف جانے ہی والا تھا کہ پاؤں پھسل گیا۔ اور وہاں بھی مجھے شلی روشینیاں دکھائی دیں۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو فوری طور پر نہیں کھلیں۔ آہستہ آہستہ کھلیں۔ جب چلنے لگا تو ایسا محسوس ہوا کہ ہوا میں چل رہا ہوں اور دایاں پاؤں گھسنے ہے۔

عالم تمام حلقہ ذرا خیال ہے

سوال: شلی سستی کی مشقوں کے بعد طاہرات اور طلباء پر جو کیفیات مرتب ہوئی ہیں ان سے اس علم کا حقیقت سے تعلق ثابت ہو جاتا ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کامیابی کا تناسب کم ہے تو دماغ اس شک میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ سب قوت متخبطہ کا نتیجہ ہے۔ یعنی یہ کہ آدمی نے اپنی تمام تر توجہ کے ساتھ اختیاری یا غیر اختیاری طور پر یہ سوچ لیا ہے کہ ایسا ہے، ویسا ہے اور وہی مناسط اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ اور اس قسم کی کیفیات اس پر وارد ہونے لگتی ہیں۔ کیا آپ اس سلسلہ میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟

جواب: جہاں تک قوت متخبطہ کا تعلق ہے اس سے کوئی ایک فرد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ساری زندگی خیالات کے تانے بانے سے بنی ہوئی ہے۔ قلندر بابا اولیاءؒ نے اپنی کتاب "روح و قلم" میں اس تانے بانے پر بنی ہوئی تخلیق کو نسیم کہلے ہے اور جنات کی تخلیق نسیم مفرد سے، انسان اور انسان کی دنیا کی تخلیق نسیم مرکب سے عمل میں آئی ہے۔ اس بات کو نقشہ میں دکھا کر پوری طرح سمجھایا گیا ہے۔ ہر جو زندگی دیتی ہیں، زندگی کے سارے تقاضے ہمارے اندر پیدا کرتی ہیں ہمارے دماغ کے اندر نصب شدہ اینٹینا (ANTENNA) جب ان کو جذب کرتا ہے



تو خیالات اور جذبات بن کر نشر ہونے لگتی ہیں۔ خیالات کی نشریات ہی زندگی ہیں۔
قوت تخیل کو ایک لایمنا اور ایک غیر نوثر چیز سمجھا جائز جہالت کے کچھ نہیں ہے۔
آئیے ایک تجربہ کرتے ہیں۔

آرام کے ساتھ بستر پر لیٹ کر جسم ڈھیلا چھوڑ دیں۔ اور اپنی پوری توجہ اس
بات پر مبذول کر دیں کہ آپ کے پیر گرم ہو رہے ہیں۔ پھر یہ تصور کریں کہ ہر آپ کے
دماغ میں مسلسل اور پیہم نزول کر رہی ہیں۔ اور پیروں کے ذریعے خارج ہو رہی ہیں۔
ہروں کے اندر گرمی آپ کے پیروں کو گرم کر رہی ہے۔ جیسے ہی آپ کی توجہ اس عمل میں مرکوز
ہو جائے گی، آپ کے پیر گرم ہوتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ اور پھر یہ معلوم ہو گا کہ سارے
جسم کی گرمی پیروں میں سمٹ آئی ہے اور آپ کے پیروں کے تلوے جلنے لگیں گے۔
بالکل یہی صورت اس وقت ہوگی جب آپ سرد ہواؤں کا تصور کریں گے خیالات
کی مرکزیت پیروں کو اتنا ٹھنڈا کر دیتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے پیر برف کی طرح بچھ گئے ہیں۔
مادیاتی علوم کے لئے یہ کہہ کر گزر جانا کہ یہ سب قوت تخیل کا نتیجہ ہے دراصل
فرد کی ایک شکل ہے اور یہ باتیں ایسے لوگ کرتے ہیں جن کے اندر قوت عمل تقریباً
صفر ہوتی ہے۔

ایشارہ و ایقان، نفرت و حسد، بھوک، پیاس اور زندگی کے سارے تقاضے
کیا ہیں؟ سب خیالات کی ادنیٰ بدلتی تصویریں ہیں۔ اگر جسم میں بھوک کے تقاضے
سے، خیال کے ذریعے، مطلع نہ کرے تو ہم کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔
یہ ساری کائنات خیالات کی ایک مربوط فلم ہے۔



فانون فطرت

سوال: ٹیلی پتھی اور دیگر مادیاتی علوم کے ضمن میں جن قوتوں اور صلاحیتوں کا ذکر
کیا جاتا ہے، کیا ان صلاحیتوں کے حصول کے لئے کوئی بھی شخص کو شش کر سکتا ہے
یا یہ علم ایسے لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو غیر معمولی قوت کے حامل ہیں؟

جواب: کائنات میں موجود جملہ مخلوقات میں انسان سب سے پیچیدہ نفسیات و
طبیعیات کا حامل ہے۔ بعض اوقات کچھ افراد سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں
جنہیں ہم SUPER NATURAL یعنی مافوق الفطرت کہہ دیتے ہیں اور جو عام لوگوں
کی نظروں میں عجیب و غریب اور حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ حالانکہ عورت کیا جائے تو
اس کا رخسانہ قدرت میں کوئی چیز مافوق الفطرت نہیں ہے۔ چونکہ ہر شے کی ابتدا
اور انتہا قوانین فطرت کے تحت ہے، اس لئے یہاں کوئی موجودہ شے فطرت سے
بالا تر نہیں ہو سکتی۔

ہماری اس کائنات میں فطرت کے بے شمار قوانین کار فرما ہیں۔ ان میں
سے کچھ تو ہمیں معلوم ہیں اور بہت سے قوانین ہمیں اپنی لاعلمی کی وجہ سے معلوم نہیں جن
کے بارے میں ہمارا علم ناقص ہے انہیں ہم فوراً فوق الفطرت کہہ دیتے ہیں۔ مثال کے
طور پر ہمارے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہم محض اپنے "تصور" کی قوت سے

چار ہزار میل پر بیٹھے ہوئے کسی دوسرے شخص کو متاثر کر دیں یا کسی بیمار کے بدن پر ہاتھ پھیر کر اس کا مرض دور کر دیں۔ کسی شخص کو چند منٹ نظر جا کر دیکھیں اور اس پر نیند طاری ہو جائے۔ ہم اپنی آنکھوں کو بند کر کے لاہور کے انارکلی بازار یا لندن کے پکا ڈلی کا تصور قائم کریں اور وہاں کا پورا جیٹا جاگتا منظر ہمارے سامنے اس طرح آجائے گی یا ہم خود ان بازاروں میں چل پھر رہے ہیں۔ قدرت نے ہمارے اندر یہ صلاحیت بھی ودیعت کی ہے کہ ہم دوسروں کے دل کا حال معلوم کر سکتے ہیں۔ ان کے اندر میں داخل ہو کر اگلی کھلی زندگی کے اہم واقعات دیکھ سکتے ہیں۔ فطرت نے ہمارے دماغ میں یہ قوت بھی رکھی ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات پردہ اسکرین پر فلم کی طرح ہمارے سامنے رقصاں رہیں۔

یہ تمام صلاحیتیں کسی دیکھی قانون کے مطابق ہیں۔ مگر جب ہم کسی شخص میں اس قسم کی کوئی قوت متحرک پاتے ہیں تو اسے سپرنچرل کہہ دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہماری کائنات میں فوق الفطرت کوئی چیز نہیں ہے۔

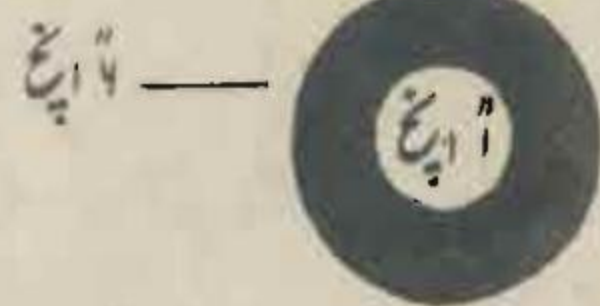
ہم میں سے ہر شخص خاص خاص شقوں، مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعے دماغ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے ان علوم کو حاصل کر سکتا ہے جنہیں ٹیلی پتھی، غیب بینی، سچے خواب، مستقبل بینی، شرح صدر، (THOUGHT READING) دوران علاج بذریعہ خیال، تاثیر بذریعہ تصور، انتقال امواج، سم ریڈم، ہینڈلزم کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر آپ بھی اپنے اندر غیر معمولی ذہنی صلاحیتیں اور قوتیں پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کسی استاد کامل کی نگرانی میں شقیں کیجئے۔ آپ میں بھی غیر معمولی قوتیں پیدا ہو جائیں گی۔

ایک بات یاد رکھئے، ہر انسان اپنی سیرت کا بنا پر از سر نو جنم لیتا ہے اور اوج ثریا تک پہنچ جاتا ہے۔ سیرت کی جڑیں اخلاقی قدروں سے نشوونما پاتی ہیں۔ اس لئے اگر آپ مستقبل بینی کے لئے قدم اٹھاتے ہیں تو پہلے اپنی سیرت کا جائزہ لیجئے، اپنی مستقل مزاجی کا امتحان لیجئے کیوں کہ پیش بینی کا آغاز آپ کی اپنی ہی ذات سے ہو سکتا ہے۔ پہلے آپ خود اپنے اوپر تجربات کریں گے۔ اس کے بعد یہی طاقت دوسروں پر آزمائی جائے گی۔ اگر آپ کی سیرت قابل اطمینان نہیں ہے تو آپ غلط راستوں پر بھی جاسکتے ہیں۔ قدرت کا چلن یہ ہے کہ کوئی غیر معمولی طاقت اسی کو ملتی ہے جو اس کا موزوں استعمال جانتا ہے اور جو لوگ اس قسم کی طاقت حاصل کرنے کے بعد بے جا فخر اور گھمنڈ کے نشے میں غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکات شروع کر دیتے ہیں ان سے یہ طاقت چھین لی جاتی ہے۔ اس لئے یاد رکھئے کہ سب سے پہلے آپ کے دل میں اپنی شخصی تعمیر اور تعمیر کائنات کا مزمع ہونا چاہئے۔



ٹیلی پیٹھی کا پانچواں سبق

۱۸ اینچ x ۱۸ اینچ کا چمک دار اور سفید ریگزین کا ٹکڑا لے کر اتنے ہی بڑے لکڑی کے تختے، پلائی وڈ، ہارڈ بورڈ یا موٹے گتے پر چھوٹی کیسوں سے اس طرح جڑ دیں کہ ریگزین میں شکنیں باقی نہ رہیں۔ اس ریگزین کے بالکل بیچ میں چھ ۱۸ اینچ قطر کا ایک دائرہ بنائیں اور اس دائرے کو سیاہ چمک دار پینٹ سے پُر کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ ۱۸ اینچ x ۱۸ اینچ کے اس چمک دار سفید ریگزین شیٹ پر ایک سیاہ دائرہ اس طرح بنائیں کہ اس دائرے کے بالکل بیچوں بیچ ایک ۱۸ اینچ قطر کا سینا دائرہ باقی رہے۔



اس بورڈ کو چار فٹ کے فاصلے پر اپنے سامنے اس طرح رکھیں کہ سفید دائرہ نظر کے بالکل متوازی ہو۔ بورڈ میں جھکاؤ واقع نہیں ہونا چاہیے۔ سیدھا رہے۔ دائرہ مینی سے پہلے سانس کی مشق کر لیں۔

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں ہاتھ بند کر لیں۔ اور بائیں ہاتھ سے دایاں

سیکند تک سانس کھینچ کر چھوٹی انگلی سے دایاں ہاتھ بند کر لیں اور تین سیکند تک سانس روکے رکھیں۔ پانچ سیکند بعد دائیں ہاتھ سے سانس دس سیکند تک خارج کریں۔ اب دوبارہ دائیں ہاتھ سے سانس دس سیکند تک کھینچیں۔ بائیں ہاتھ سے پانچ چھٹا ہاتھ بند کر دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں ہاتھ بند کر لیں اور سانس کو پانچ سیکند تک روکے رکھیں۔ پھر بائیں ہاتھ سے سانس دس سیکند باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔ اسی طرح اس عمل کو دس مرتبہ دہرایا جائے۔ یہ مشق بھی صبح سورج نکلنے سے پہلے اور رات کو سونے سے قبل خالی پیٹ کرنی چاہیے۔

دوسرے اسباق کی طرح اس مشق میں بھی رات کا کھانا بہت ہلکا اور مغرب کے وقت کھایا جائے۔ کھانے اور سانس کی مشق کے درمیان کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا نہایت ضروری ہے۔

سانس کی مشق کے بعد دس سے پندرہ منٹ تک دائرہ مینی کریں۔ دائرہ مینی کرتے وقت آنکھوں میں جلن اور سوزش کا احساس ہوگا۔ آنکھوں اور ناک سے پانی بہے گا۔ اس کی پرواہ نہ کریں۔ بلکہ پلک جھپکائے بغیر دائرہ مینی کرتے رہیں۔ مشق کے دوران گردن سیدھی رکھیں۔ نظر میں مرکزیت اور ٹھیراؤ پیدا ہونے تک اگر پلک جھپک جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پلکوں کے عمل کو ساقط کرنے کے لئے اپنے اوپر زبردستی کریں۔ جیسے جیسے مشق کی تکمیل ہوگی خود بخود ٹھیسراؤ پیدا ہوتا جائے گا۔

اس مشق سے خارج ہونے کے بعد مراقبہ میں چلے جائیں۔ مراقبہ میں بند آنکھوں سے یہ تصور کیا جائے کہ شیشے کا ایک جار (JAR) ہے اور اس جار کی اندرونی دیوار پر زمین پر موجود اشیاء نقش و نگار کی صورت میں موجود ہیں۔ دائرہ مینی کی مشق جو بیس

گفتگوں میں صرف ایک مرتبہ رات کے وقت کی جائے اور جاری مینی کی مشق معمول
اسباق کی طرح صبح و شام کی جائے۔

ان مشقوں کے دوران یہ احتیاط ضروری ہے کہ دائرہ مینی کی مشق ایسی
جگہ کی جائے جہاں روشنی ہو اور یہ روشنی براہ راست بورڈ کے اوپر پڑتی رہے۔ اس
ہرگز نہ کیا جائے کہ ٹیبل ٹیمپ میں بلب روشن کر کے خاص طور پر روشنی ڈالی جائے۔
اس کے عکس جاری مینی کی مشق حسب معمول اندھیرے میں کی جائے۔

پہلا سبق

پہلے اسباق اور واردات و کیفیات میں یہ بات آپ کے ادھر واضح ہو چکی ہے کہ
انسان فی الواقع روشنی ہے۔ اس روشنی یا بجلی کو سائنسدانوں نے ہر (WAVE) کا نام
دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تمام جذبات و احساسات اور زندگی کو قائم رکھنے والے تقاضے
در اصل لہروں سے مرکب ہیں۔

ماہرین روحانیات نے ان لہروں کے دو رخ متعین کئے ہیں:

مرکب لہر اور مفسر دہر۔

مرکب لہر مٹی کے جسم کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ لہر ان عناصر کو تخلیق کرتی ہے جن کو
عرف عام میں آگ، پانی، مٹی اور ہوا کہا جاتا ہے۔ یہ لہر آدمی کو ٹائم اسپیس (TIME -
SPACE) میں بند رکھتی ہے۔ اس حالت میں ہر چیز آدمی کے لئے پردہ ہے، یہاں
تک کہ اگر اس کی آنکھوں کے سامنے باریک سے باریک کاغذ بھی آجائے تو وہ پردہ بن جاتا
ہے۔ اس لہر کی فطرت ہے کہ یہ ہر چیز کو پردے میں دیکھتی ہے۔

مثال: آدمی اپنے تحفظ کے لئے مکان بناتا ہے۔ خود دیواریں کھڑی کرتا ہے
اور دیواروں میں دروازے لگاتا ہے۔ دروازے بند کر کے کمرے کے اندر خود کو محفوظ
سمجھتا ہے۔ بتدریج غائر دیکھا جائے تو یہ عمل بجائے خود قید و بند کی حالت ہے۔ یعنی آدمی
نے قید و بند کی زندگی کو محفوظ زندگی قرار دے دیا ہے۔ آدمی نے خود کو اپنی اختراع کی ہر



چیزوں میں قید کر لیا ہے۔ طبیعت میں آسانش کے تقاضے بھی پابند صلاحیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اس کے برعکس مفرد لہر پابند جو اس سے آزاد زندگی پسند کرتا ہے۔ اس لہر کی پہلی ہی حرکت سے ٹائم اسپیس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ کسی قسم کے پورے کو قابل توجہ نہیں سمجھتی۔ زمین کی پستی اور آسمان کی رفعت سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔ یہ مفرد لہر زمین پر پہلی ہوئی اللہ کی نشانوں کا علم بھی رکھتی ہے۔ اور اسے سمادات میں فرشتوں سے حکم اور ملاقات کا شرف بھی حاصل ہے۔

ہم دو لہروں، دو روشنیوں یا دو دائروں میں زندہ ہیں۔ جس دائرہ یا جس لہر کا غلبہ ہوتا ہے وہی کیفیات ہمارے اوپر وارد ہو جاتی ہیں۔

قید و بند کی حالت | یہ دو دائرے دو جنریٹر (GENERATOR) ہیں۔ تار برقی نظام کے تحت ان کے ساتھ بے شمار تار بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعے ہمارے پورے اعصابی نظام میں روشنی پہلائی ہوتی رہتی ہے۔

جنرل نمبر انات کے مقام پر نصب ہے۔ یہ جنریٹر دراصل ایک قسم کا سب اسٹیشن ہے۔ اس سب اسٹیشن (SUB-STATION) کو جنریٹر نمبر 2 یعنی مفرد لہر یا فیڈ (FEED) کرتی ہیں۔

ایک اور دو کے اصول پر جس طرح گنتی سکھنے کے لئے عدد ایک سے واقفیت لازم ہے اسی طرح انتقال افکار کے لئے جنریٹر نمبر ایک یعنی مرکب لہروں کے علم سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

اس کا سرلیف یہ ہے :

سانس کی مشق | داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے نتھنے کو بند کر لیں اور بائیں نتھنے سے پانچ سیکنڈ تک سانس کھینچ کر بائیں نتھنا چھٹکلا سے بند کر لیں اور پندرہ سیکنڈ تک سانس روک لیں۔ پندرہ سیکنڈ کے بعد سیدھے نتھنے سے دس سیکنڈ تک سانس خارج کریں۔ اب دوبارہ دائیں نتھنے ہی سے پانچ سیکنڈ تک سانس اندر کھینچیں۔ بائیں نتھنے پر سے چھٹکلا ہٹا کر دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں نتھنا بند کر لیں۔ سانس کو پندرہ سیکنڈ تک دس رکھیں۔ پھر بائیں نتھنے سے دس سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔

اوقات مشق | صبح سورج نکلنے سے قبل اور رات کو سونے سے پہلے۔ لیکن یہ عمل آدھی رات گزرنے کے بعد نہ کیا جائے۔

سانس لینے کی تعداد | صبح کے وقت دس چکر، رات کے وقت پانچ چکر۔

سانس کی مشق کے بعد حسب دستور مراقبہ کیا جائے۔ مراقبہ میں یہ تصور کریں کہ ناف کی جگہ ایک روشن نقطہ ہے۔ اس جگہ گزرتے روشن نقطہ میں سے شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ ہمارا پورا ماحول، چرند پرند، کوہ و دمن، شرق و مغرب، شمال و جنوب، حیوان و انسان، زمین و آسمان سب میں یہ شعاعیں اور لہریں جذب ہو رہی ہیں۔ مراقبہ پندرہ منٹ تک کیا جائے۔

خصوصی تاکید | شائقین ٹیلی ویشن کو ایک بار پھر تاکید کی جاتی ہے کہ کوئی صاحب بیچ میں سے کسی سبق سے شروعات نہ کریں۔ ضرورت ہے کہ کسی

ماہر روحانیات کی نگرانی میں اسباق پورے کئے جائیں۔ اکی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہدایات پر حرف بحرف عمل کیا جائے۔



چھٹے سبق کے دوران تیرہویں الی گنی

ع۔ ص۔ کراچی

حسب دستور مراقبہ کیا۔ مراقبہ میں یہ تصور پوری طرح قائم ہو گیا کہ نافت کی جگہ ایک روشن نقطہ ہے جو ستارے کی طرح جگمگ کر رہا ہے۔ یکایک اس نقطہ میں حرکت ہوئی اور یہ ANTI-CLOCK-WISE گھومنے لگا۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی بچہ چمچ پانی کو گھماتا ہے یا گھومتی ہوئی آتش بازی جس کے اندر سے روشن پھول نکل رہے ہیں۔ بس فرق یہ تھا کہ اس نقطہ میں سے بجائے اس کے کہ آتش بازی کی طرح پھول گریں شعلیں نکل رہی تھیں۔ ان شعلوں نے جب زمین کا چکر لگایا تو یہ عہدہ کھلا کہ زمین کے اندر موجود ہر مخلوق میں ایسا ہی ایک روشن نقطہ ہے اور ہر روشن نقطہ کی شعلیں تمام مخلوق کے روشن نقطوں میں ایک دوسرے سے رد و بدل ہو رہی ہیں۔ ذہن میں اتنی گہرائی پیدا ہو گئی کہ دوسری مخلوق کے روشن نقطہ کی شعلیں نافت کی جگہ میرے اندر روشن نقطہ میں جذب ہونے لگیں۔ پھر یہ روشن نقطہ، ٹی وی کی طرح، ایک اسکرین بن گیا۔ اور اس میں موجودات کا عکس نمایاں ہونے لگا۔ پہلے مدہم مدہم، پھر ذرا روشن، پھر اور زیادہ روشن۔ انتہا یہ کہ میں نے اپنے اندر اس اسکرین پر زمین کے اوپر تمام مناظر قدرت کو تسلیم کی طرح دیکھا۔

میں اس پر کیفیت شاہدے میں اتنا محو ہو گیا کہ ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ میرا بھی

اپنا کوئی وجود ہے۔ اس کیفیت کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ درختوں کے اندر روشن نقطہ مجھے اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ اور پھر درخت نے مجھ سے باتیں کرنا شروع کر دیں اس درخت نے مجھے بتایا کہ میں فلاں نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور میرے آباؤ اجداد اس سرزمین پر کروڑوں سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ پہاڑ کے اندر روشن نقطہ مجھ سے مخاطب ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ میری پیدائش اور نشوونما بھی اسی طرح ہوئی ہے جس طرح زمین کی دوسری مخلوق کی پیدائش عمل میں آئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میری نسل میں ٹائم اسپیس کی وہ صورت نہیں ہے جو دوسری مخلوق کے ساتھ ہے۔ میری نشوونما بہت دیر سے دیر سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی درخت پانچ سال میں جوان ہوتا ہے تو میری جوانی کا دور ہزاروں سال کے اوپر محیط ہوتا ہے۔ میں نے جب اس کی وجہ دریافت کی تو پہاڑ نے مجھ سے کہا کہ میرے سانس کی رفتار عام حالات سے ہٹ کر ہے۔ میرے ایک سانس کا وقفہ پندرہ منٹ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری نشوونما میں اتنا زیادہ طویل عرصہ لگ جاتا ہے۔

لاہور

لحالات کو سونے سے پہلے، آدھی رات گزرنے کے بعد میں نے چھٹے سبق کی مشق کی۔ دیکھا کہ میں ایک شیشے کا بنا ہوا خول ہوں۔ اس شیشے میں چھ روشن قہقے ہیں۔ ایک قہقہہ جو بہت زیادہ روشن ہے میرے جسم میں نافت کے مقام پر آویزاں ہے۔ اس قہقے کے اندر جو باریک تار ہیں ان کی تعداد اتنی ہے کہ جو میرے اندازے کے مطابق شمار میں نہیں آسکتی۔ قہقے کے اندر روشن تار میں کائنات میں موجود ہر مخلوق بندھی ہوئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ قہقہ کٹھن پتلی پچانے والے کا ہاتھ ہے۔ جب یہ تار ہٹتے

میں تو طرح طرح کی مخلوقات آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ نیوے کی طرح ایک جانور کو دیکھ کر میرے اوپر ہیبت طاری ہوگئی۔ یہ جانور اتنا بڑا تھا کہ دور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پہاڑ ہے۔ اس کے بعد میں نے زمین پر بہت بڑے بڑے ہاتھی چلتے پھرتے دیکھے۔ جس طرح کوئی نگر مجھ کسی بڑی پھلی کو نگل جاتا ہے اسی طرح اس پر ہیبت جانور نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہاتھی کو نگل لیا۔ یہ اتنا ڈراؤنا منظر تھا کہ میرے اوپر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور میں مراقبہ جاری نہ رکھ سکا۔

ن۔ اختر، سرگودھا

چھٹے سبق کی مشق کرتے ہوئے ایک مہینہ دس دن ہو گئے ہیں۔ ابتدائی دس دنوں میں کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ سرے بہتہا بھاری رہا۔ زیادہ بوجھ سر کے بائیں طرف تھا۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دماغ پھٹ جائے گا۔ جب تکلیف کا احساس بہت زیادہ بڑھ گیا تو میں نے آپ کی ہدایت کے مطابق صبح، شام، رات چھٹی ملا کر پھلوں کا رس پینا شروع کر دیا۔ اس تکلیف دہ حالت میں بالکل غیر اختیاری طور پر میں ایک پارک میں چلا گیا۔ وہاں تالاب کے کنارے بیٹھا ہوا خلائ میں گھور رہا تھا کہ دماغ میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا روشنی کا یہ جھماکا اتنا تیز تھا کہ میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور کھلی آنکھوں سے یہ نظر آیا کہ نواف کے مقام سے سورج کی طرح شعاعوں کا ایک دھارا بہہ نکلا ہے۔ اب ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی۔ میں نے ان روشنیوں کو تالاب میں تیرتی ہوئی پھلیوں پر مرکوز کر دیا اس ارادے کے ساتھ کہ تالاب کی تمام پھلیاں سطح آب پر آجائیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے تالاب کی تمام پھلیاں اُوپر آ گئیں۔ پھر میں نے یہ ارادہ کیا کہ آدھی پھلیاں سطح آب پر تیرتی رہیں اور آدھی پھلیاں پانی میں چلی جائیں۔ اس کی بھی تعمیل ہوئی۔ اس کے بعد اپنے اندر سے نکلنے والی

ان بسروں کو میں نے گلاب کے سُرخ پھولوں پر مرکوز کر دیا اس ارادے کے ساتھ کہ پھول کا رنگ سفید ہو جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پھول کی سُرخ پنکھڑیاں سفید ہو گئیں۔ لیکن اس بات سے مجھے سخت صدمہ ہوا کہ پھول شاخ پر قائم نہ رہ سکا اور مڑھ گیا۔

ہدایت: ماورائی علوم سیکھنے والے تمام طلباء و طالبات کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کوئی کام ایسا نہ کریں جس میں تخریب کا پہلو ہو۔ یہ آپ سے سطح آب پر پھلیوں کو لانے میں اور گلاب کے رنگ کی تبدیلی میں تخریب کا پہلو نمایاں ہے۔ ماورائی علوم اس لئے سکھائے جاتے ہیں کہ انسان اپنی باطنی صلاحیتوں کو بیدار کر کے نور انسانی اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے۔

ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے ہر چیز تعمیری انداز میں تخلیق کی ہے۔ اسی طرز فکر کو بیدار اور اجاگر کرنے کے لئے وہ اسباق بیان کئے گئے ہیں جو اس روحانیت سے ہم رشتہ ہیں جس کی تصدیق اللہ کی کتاب کرتی ہے اور جس کو عام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں۔

تخریبی ذہن کے کسی بندے کو اس کتاب سے استفادہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے کہ تخریبی عمل سے خود اسے نقصان پہنچے گا۔



ساتواں سبق

سانس کی مشق

دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے نتھنے کو بند کر لیں اور بائیں نتھنے سے دس سیکنڈ تک سانس کھینچ کر بائیں نتھنا چھٹکیا سے بند کر لیں اور تیس سیکنڈ تک سانس روک لیں۔ تیس سیکنڈ کے بعد سیدھے نتھنے سے دس سیکنڈ تک سانس خارج کریں۔

اب دوبارہ دائیں نتھنے ہی سے دس سیکنڈ تک سانس اندر کھینچیں۔ بائیں نتھنے پر سے چھٹکیا ہٹا کر دوبارہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں نتھنا بند کر لیں۔ سانس کو تیس سیکنڈ تک روک رکھیں۔ پھر بائیں نتھنے سے دس سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گا۔

اوقات مشق

صبح سورج نکلنے سے قبل اور رات کو سونے سے پہلے۔ لیکن یہ

عمل آدھی رات سے پہلے پہلے کر لیا جائے۔

سانس لینے کی تعداد

صبح کے وقت پانچ چکر، رات کے وقت دس چکر۔

مراقبہ میں بیٹھ جائیں۔ آنکھوں کے اوپر ردیں دار سیاہ رنگ پکڑا لیں۔

باندھ لیں کہ آنکھوں کے پوٹوں پر ہلکا سا دباؤ پڑتا رہے۔ رومال کی بندش تھوڑا زیادہ

نہ ہو کہ آنکھیں دکھنے لگیں۔ رومال باندھنے سے مقصد یہ ہے کہ پوٹوں پر اتنا طبیعت دباؤ رہے کہ پوٹے حرکت نہ کر سکیں۔ اب یہ نصیحت کریں کہ انٹی طرف کا دماغ - ANTI

CLOCK-WISE گھوم رہا ہے۔ اس مشق کے دوران اکثر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی طالب علم دماغ کو گھماتا ہے تو جسم بھی ہلنے لگتا ہے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ سر نہ ہلے۔ پندرہ منٹ صبح اور پندرہ منٹ رات، دماغ کو گردش دینے کی یہ مشق جاری رکھی جائے۔

اس مشق کے ساتھ ساتھ کسی ایسے آدمی کا انتخاب کریں جو پاکیزہ ذہن ہو اور آپ سے انسیت رکھتا ہو۔ ایک بڑی بینر کے اوپر لکڑی کا ایک اونچا تختہ اس طرح فٹ کر لیں کہ آئینے سامنے دو بیٹھے ہوئے آدمی نظر نہ آئیں۔ دیوار کی لکڑی کے پچاس عدد گٹکے (جیسا لوڈ کا پانسہ ہوتا ہے) بنوائیں۔ گٹکے کو نیلے رنگ سے پینٹ کر دلائیں اور ہر گٹکے کے چھ پہلوؤں پر سفید رنگ سے ہند سے لکھوائیں۔ پانسے کے ہر پہلو پر ایک کا ہندسہ لکھوائیں یعنی ایک پانسے کے ہر پہلو پر چھ مرتبہ ایک کا ہندسہ لکھا جائے گا۔ دوسرے پانسے کے ہر پہلو پر چھ مرتبہ دو کا ہندسہ لکھا جائے گا۔ تیسرے پانسے کے ہر پہلو پر چھ مرتبہ تین کا ہندسہ لکھا جائے گا۔ اس طرح پچاس پانسے لکھوائے جائیں۔

بینر کے دونوں طرف دو اسٹول ڈال دیں اور دونوں آدمی بیٹھ جائیں۔ پچیس پانسے

ایک صاحب کے پاس رہیں گے اور پچیس پانسے دوسرے صاحب کے پاس رہیں گے۔

دونوں صاحبان ایک کاپی اور نیپل بھی اپنے پاس رکھیں۔

دونوں میں سے ایک صاحب اپنے ذہن میں یہ بات سرہیں کہ سامنے بیٹھا ہوا

آدمی نمبر ایک کا پانسہ پھینکے اور نمبر ایک کا ہندسہ کاپی پر لکھ لیں۔ جب پانسہ پھینکا جائے

تو اس کا نمبر بھی کاپی پر اتار لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ہندسہ جو آپ نے سوچا ہے کاپی

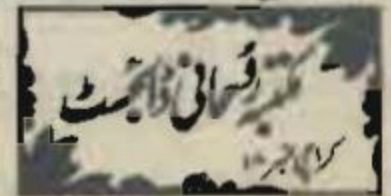
پر لکھ لیا جائے اور وہ ہندسہ جو پھینکا گیا ہے اس کا نمبر بھی نوٹ کر لیا جائے۔

جب دونوں طرف سے پھیس پھیس پانسوں کا تبادلہ پورا ہو جائے تو دونوں صاحبان یہ دیکھیں کہ ذہن نے کس حد تک رہنمائی کی یعنی کتنے پانے آپ کی سوچ کے مطابق ڈالے گئے۔ اس مشق کو اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک پچھتر فی صد کامیابی ہو۔ کامیابی سے مراد یہ ہے کہ جو ہند سے آپ کے ذہن میں آئیں، فرقہ پرستانہ دہی ہند سے نکلنے کے اس پار پھینکے۔

یہ مشق فرصت کے اوقات متعین کر کے چوبیس گھنٹے میں پندرہ پندرہ منٹ دو وقت کی جائے۔



ایک کے دو میں کوئی بات اہم
قادر قبول ہے جس کے ہر
قادرین مطابق ہر چیز ہوتا ہے
خواجہ شمس الدین عظیمی رکنِ دہلی صلوٰۃ مسطورۃ الزمین کا
سائنس فہم آقاؤں قدس کے نماز کے بارے میں غماز اور ان کے طریقے
بتائے گئے ہیں۔ قیامِ گرج، مسجد، اور نماز وغیرہ کی علمی اور
سائنسی حکمت معلوم



کر کے اور حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریقے پر
نماز اور ان کے دین اور دنیا کی ساری نعمتیں حاصل کریں۔

ٹیلی پیٹھی کے ذریعے تصرف کا طریقہ

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہر تخلیق دور رخ پر قائم ہے۔ ایک رخ غالب رہتا ہے اور دوسرا مغلوب۔

مثال: آدمی دور رخ سے مرکب ہے۔ ایک مذکر، ایک مؤنث۔
مذکر رخ اگر غالب ہے تو مؤنث رخ چھپا رہتا ہے۔ مؤنث رخ اگر غالب ہے
تو مذکر رخ چھپا ہوا ہے۔ اس بات کو ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ مرد دور رخوں
سے مرکب ہے۔ ایک مذکر، ایک مؤنث۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک رخ
غالب ہو جاتا ہے تو اسی غالب رخ کی بنیاد پر جنس کا تعین کیا جاتا ہے۔ جنس کشش
کے قانون میں بھی یہی فارمولا منحرف ہے۔ ہو یہ رہا ہے کہ عورت کے اندر مغلوب رخ،
مرد، چوں کہ خود کو نامکمل سمجھتا ہے اس لئے وہ غالب رخ مرد سے متصل ہو کر اپنی کمی
پوری کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح مرد کے اندر مغلوب رخ عورت ہے۔ کیوں کہ مغلوب
رخ اپنی تکمیل چاہتا ہے، اس لئے وہ غالب رخ عورت کے اندر جذب ہو جانا
چاہتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تخلیق کا یہ فارمولا دوسرے عوامل میں بھی سرگرم عمل ہے۔
ایک آدمی بیمار ہے اور ایک آدمی صحت مند ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیمار آدمی کے
اندر بیماری کا رخ غالب ہے۔ وہ صحت مند رخ سے ہم رشتہ ہو کر صحت مند ہونا چاہتا
ہے۔ صحت مند آدمی کے اندر غالب رخ صحت ہے اور بیماری اس کا دوسرا رخ ہے۔

بیماری جو مغلوب رُخ ہے اس کے اندر بھی یہ تقاضہ موجود ہے کہ اس کی تکمیل ہو اور جب بیمار رُخ صحت کے اور غلبہ حاصل کر لیتا ہے تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔

ایک آدمی خوش حال ہے۔ اسے برعکس دوسرا آدمی پریشان اور مفکوک الحال ہے۔ تخلیقی قانون کے تحت حالات بھی دو رُخ متعین ہیں۔ ایک رُخ کا نام سکون ہے اور دوسرے رُخ کا نام اضطراب اور پریشانی ہے۔ حالات کا وہ رُخ جو اضطراب اور پریشانی ہے اگر پرسکون حالات پر غالب آجائے تو حالات خراب ہو جاتے ہیں لیکن آدمی صحیح طرز فکر اور اپنی روحانی طاقت کے ساتھ خراب حالات کو مغلوب کرتے تو حالات اچھے ہو جاتے ہیں اور آدمی کی زندگی میں سکون کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔

فارمولا کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ دائرہ (CIRCLE) یا مثلث (TRIANGLE) میں بند ہے۔ دنیا کی کوئی چیز، زمین میں یا آسمان پر ایسی موجود نہیں ہے جو سرکل یا ٹرائی انگل سے مستثنیٰ قرار دی جاسکے۔ کسی مخلوق میں سرکل غالب ہوتا ہے اور کسی مخلوق کے اوپر مثلث غالب ہوتا ہے۔ ہماری دنیا میں جس کو عالمِ ناموس کا نام دیا جاتا ہے، موجودات پر مثلث غالب ہے۔

پچھلے اسباق میں ہم یہ بات پوری طرح واضح کر چکے ہیں کہ زمین پر موجود ہر شے زندہ ہے، متحرک ہے، سانس لیتی ہے۔ یہ بالکل الگ بات ہے کہ ہم شعوری طور پر اسے زندہ نہ سمجھیں یا منہ نہ خیال کریں جیسے پہاڑ۔

قانونِ قدرت اور تخلیقی فارمولوں کے مطابق پہاڑ بھی باشعور ہوتے ہیں، پہاڑ بھی سانس لیتے ہیں، پہاڑ بھی پیدا ہوتے ہیں اور جو ان ہوتے ہیں۔ چوں کہ تخلیقی فارمولوں میں پہاڑ کی تخلیق اور نشوونما کا فارمولا الگ ہے، اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پہاڑ

جیسے کھڑے ہیں۔ ایک انسان ایک منٹ میں بیٹھ سانس لیتا ہے۔ پہاڑ کی پوزیشن اس سے مختلف ہے۔ پہاڑ کے سانس کی رفتار یہ ہے کہ پہاڑ کا ایک سانس زمین کی زندگی میں پندرہ منٹ کا ہوتا ہے یعنی ایک آدمی ایک منٹ میں سانس لیتا ہے اور پہاڑ پندرہ منٹ میں ایک سانس لیتا ہے۔ ہر نوع میں سانس کی سمتیں مقداریں الگ الگ ہیں۔ دوسرا قانون یہ ہے کہ کائنات میں موجود ہر شے ایک شکل و صورت رکھتی ہے۔ انسان کبھی خوش ہوتا ہے کبھی رنجیدہ۔ کبھی بیمار ہوتا ہے کبھی صحت مند۔ باطنی نگاہ سے شاید کیا جائے تو خوشی اور رنج دونوں مشکل اور محتمل ہیں۔ اسی طرح ہر بیماری کی بھی الگ الگ شش ہوتی ہے مثلاً بخار کی بھی ایک شکل و صورت ہوتی ہے۔ موتی ہجرہ بھی اپنی ایک شکل رکھتا ہے اور کینسر (CANCER) کے بھی خدو خال ہوتے ہیں۔ اس کا قانون کتاب رنگ اور روشنی سے علاج سے وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی سے ذہنی رابطہ قائم کر کے اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے اسی طرح بیمار یوں سے بھی ذہنی رابطہ قائم کر کے انہیں یہ پیغام دے دیتا ہے کہ وہ مریض آزاد کر دیں۔ یہ سب بیماریاں اس پیغام کو قبول کرتی ہیں اور مریض کی جال بخشی ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے سر میں درد ہے۔ آپ اپنی پوری توجہ کے ساتھ سر میں درد کی بیماری کی صورت کو دیکھیں۔ دو صورتیں ہوتی ہیں۔ یا تو سردی کی شکل و صورت سامنے آجاتی ہے یا اس کا ایک ہیولا سا سامنے آجاتا ہے۔ آپ سردی کو بخش دیں کہ وہ بھاگ جائے۔ سردی غائب ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس آپ اس قانون کے مطابق ہر بیماری کا علاج کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ بیماری بااختیار نہ ہو۔

جی ہاں! بیماریاں بھی بااختیار ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑے اختیارات

کی حامل بیماری کینسر (CANCER) ہے۔

شلی پیٹی کے کینسر کا علاج | کینسر خون کو مفرط پہنچاتا ہے وہ اس طرح کہ خون

میں برقی رد و جن جن حصوں سے بچ کر نکل جاتی ہے ان حصوں میں جان نہیں رہتی اور ساتھ ہی ساتھ ان ہی حصوں میں بہت باریک گول کیرٹے بن جاتے ہیں۔ یہ کیرٹے اور اس سوراخ ہوتا ہے۔ اس سوراخ کی خوراک برقی رد ہوتی ہے۔ وہ برقی رد جو زندگی کے مصروف میں آتی چاہے تھی وہ ان سوراخوں کی خوراک بن جاتی ہے۔ نتیجہ میں خوراک کا ایک چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بجائے فائدے کے خون کو نقصان پہنچاتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کینسر ایک ایسا مرض ہے جو با اختیار ہے، سنتا ہے، سوتا ہے، رکھتا ہے۔ اگر شلی پیٹی کے طریقے کے مطابق کینسر سے ذہنی رابطہ قائم کیا جائے اور تنہائی میں بشرطیکہ مرلین سوتا ہو، نہایت دوستانہ اور خوشامداندہ انداز میں اس طرح سنجیدگی سے دی جائے کہ بھائی تم بہت اچھے ہو، بہت مہربان ہو، یہ آدمی بہت پریشان ہے، اس کو معاف کر دو، تو کینسر دوستانہ جذبات کی قدر کرتے ہوئے مرلین کو چھوڑ دیتا ہے۔



اتھواں سبق

سانس کی مشق | دایئہ ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے نیتھنے کو بند کر لیں اور بائیں نیتھنے سے دس سیکنڈ تک سانس کھینچ کر بایاں نیتھنا چھٹکیا سے بند کر لیں اور پینتالیس سیکنڈ تک سانس روک لیں۔ پینتالیس سیکنڈ کے بعد سیدھے نیتھنے سے دس سیکنڈ تک سانس خارج کریں۔

اب دوبارہ دایئیں نیتھنے ہی سے دس سیکنڈ تک سانس اندر کھینچیں۔ بائیں نیتھنے پر سے چھٹکیا ہٹا کر دوبارہ دایئیں ہاتھ کے انگوٹھے سے دایاں نیتھنا بند کر لیں۔ سانس کو پینتالیس سیکنڈ تک روک رکھیں۔ پھر بائیں نیتھنے سے دس سیکنڈ تک سانس باہر نکالیں۔ یہ ایک چکر ہو گیا۔

اوقات مشق | صبح سویرے نکلنے سے قبل اور رات کو سونے سے پہلے حسب دستور یہ مشق بھی دہرائیں۔ گزرتے سے پہلے کیا جائے۔

سانس لینے کی تعداد | صبح کے وقت دس چکر، رات کے وقت دس چکر۔

حسب معمول آنکھوں پر پٹی باندھ کر بیٹھ جائیں۔ اور یہ تصور کریں کہ دل کے مقام پر ایک روشن نقطہ ہے جب نقطہ کے اوپر ذہن مرکوز ہو جائے تو اس نقطہ کو داغ کی طرح گھمائیں۔ یہ مشق میں منٹ صبح اور میں منٹ رات کو کی جائے گی۔ مشق کی تکمیل کے بعد اپنے کسی ایسے دوست کا انتخاب کیجئے جو آپ کی طرح شلی پیٹی

سیکھنے میں دل چسپی رکھنا ہوا۔ شقیں پوری کر چکا ہو تا صلی کا کوئی تعین نہیں۔ آپ کا یہ دوست لندن یا امریکہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ لندن یا امریکہ میں رہنے والے ٹیلی میٹھی کے منتہی کے لئے کوئی میڈیم دوست پاکستان یا بھارت میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور دو دوست ایک گھر کے دو کمروں میں بٹھا بیٹھ سکتے ہیں۔ ایک شہر کے شمال و جنوب میں بیٹھ کر بھی اس مشق کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔ ایک وقت مقرر کر کے، گھڑی دیکھ کر صحیح وقت پر دونوں دوست آنکلیں بند کر کے یا کھلی آنکھوں میں بیٹھ جائیں اور اپنے میڈیم کو کوئی پیغام دیں۔ اس متعین وقت میں میڈیم کے ذہن میں جو بات آئے وہ لکھ لی جائے۔ اسی طرح جو پیغام دریا جارہا ہے اسے بھی ڈائری میں نوٹ کر لیں۔ روز محکم ہو تو روز درتہ ہفتہ وار یا ہفتہ روزہ رپورٹ پر غور کریں اور اپنی اپنی ڈائریوں میں دیکھیں کہ کیا پیغام دیا گیا تھا اور ذہن نے کیا قبول کیا ہے۔ پچاس فی صد کامیابی کے بعد اس مشق کو عام حالات میں جاری رکھیں۔ مثلاً یہ کہ کوئی آدمی بیمار ہے اس کو بہت بتا کر یہ پیغام (SUGGESTION) دیں کہ تم صحت مند ہو وغیرہ وغیرہ۔



دماغ ایک درخت

سوالیہ کیا یہ صحیح ہے کہ مادیات علم سیکھنے والے افراد میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جن کی عمر کم ہے یا وہ نوجوان عورتیں ہیں جن کا شعور ابھی بچپن کے دور سے باہر نہیں آیا۔ اس کے برعکس عمر رسیدہ لوگ اور وہ حضرات جو دانشور کہلاتے ہیں یا فلسفہ اور منطق کے جنگل میں سرگرداں رہتے ہیں اور وہ حضرات جن کی طبیعت میں خشکی، یسوست اور انتہا پسندی ہے مادیات علم حاصل نہیں کر سکتے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صناعی میں دماغ ایک ایسی زرخیز زمین ہے جس میں قسم قسم کے درخت اُگتے ہیں۔ درخت چھوٹا ہو یا بڑا بہر حال درخت ہے۔ دماغ کی سرزمین پر جو درخت اُگتے ہیں انہیں مختلف علوم کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ علوم اتنے ہیں کہ کسی طرح ان کا شمار ممکن نہیں۔ ان علوم میں مادیات علم کی اپنی الگ ایک حیثیت ہے۔ مادیات علم روحانیت کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔

کسی درخت کی ہری بھری شاخ کو مفید مطلب اغراض و مقاصد میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس سوکھی شاخ سے (سوکھی شاخ سے مراد گھن کرنا ہوئی گھڑی ہے) ہم کوئی چیز نہیں بنا سکتے، انتہا یہ کہ وہ جلانے کے بھی کام نہیں آتی۔ کم عمر بچے اور نوجوان عورتیں ہری بھری شاخ کی مانند ہیں جب کہ عمر رسیدہ لوگ خشک گھڑی کی طرح ہیں۔ ماہرین نفسیات اور مادیات علم کھانے والے اساتذہ اپنے

روحانی انسان

سوال۔ تبلیغی کے سلسلے میں آپ نے اب تک جو تیوری پیش کی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ یہ علم مسلمانوں کے لئے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ مادی علوم کے شائقین کو کیا آپ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ مادی علم صرف مسلمانوں کا ورثہ ہیں اور وہی اس علم میں کمال کو پہنچتے ہیں؟

جواب۔ جو بندہ فی الواقع روحانیت کے علوم پر کسی نہ کسی حد تک مترس رکھتا ہے اس کی پس منظر فکر اسی حد تک مادے سے دور ہو جاتی ہے اور وہ زندگی کے تمام شعبوں کو نورانیت سے ہم آغوش دیکھتا ہے۔ اس کے ایمان میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ صلاحیت کا تمام تر دار و مدار روح سے ہے۔ اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ تمام نوع انسانی روحانی صلاحیتوں سے مالا مال ہے اور ہر انسان اپنے اندر موجود اس صلاحیت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ نوع انسانی کے دائرے سے نکل کر جب وہ زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتا ہے تو وہ یہ جان لیتا ہے کہ زمین کا گوشہ گوشہ نورانیت اور روشنیوں سے معمور ہے۔ اس کے علم میں یہ بات آ جاتی ہے کہ اگر کسی مقام پر کسی مکان میں کوئی حادثہ رونما ہو جائے تو اس دردناک واقعہ کی پس منظر زمین کو متاثر کرتی ہیں اور جس طرح کھانا انسان کے دماغ پر کسی واقعہ کے نقش و نگار محفوظ ہو جاتے ہیں اور دماغ متاثر ہوتا ہے اسی طرح زمین کے ماحول میں بھی یہ دردناک واقعہ محفوظ ہو جاتا ہے اور

اس دردناک واقعہ کی پس منظر زمین کے اندر سے برابر باہر آتی رہتی ہیں۔ بعض اوقات کسی ایک خط پر مسلسل حادثات رونما ہونے سے TRAGEDY اور المیہ کی پس منظر شدید ہو جاتی ہے کہ درود دیوار سے میلبت، افسردگی اور خوف محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے واقعات مسلسل رونما ہونے سے جب اس مخصوص خط زمین کے اوپر درود دیوار متاثر ہو جاتے ہیں تو لوگ اس مکان کو آسیب زدہ کہنے لگتے ہیں۔ یہ آسیب کیا ہے؟ مٹی کے دردناک واقعہ کی فلم ہے جو حساس انسانوں کو زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ کوئی روحانی انسان کسی علم کو کسی ایک قوم کے لئے مخصوص نہیں کرتا۔ روحانیت پوری نوع انسان کا ورثہ ہے لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان اپنے مقدس اسلاف کے بیش قیمت ورثہ سے تقریباً محروم اور بے پرواہ ہو چکے ہیں جب کہ غیر مسلم اقوام مسلسل جستجو کے ذریعے مادی علوم کی حقیقت پانے کے لئے ات دن کوٹال ہیں۔ انہیں کافی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔ اس کی ایک مثال روس کے سائنس دانوں کے وہ تجربات ہیں جن کے ذریعے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مادی علوم میں ایک شعبہ TELEPATHY ایک مائیکرو حقیقت ہے دیگر ممالک کے ماہرین نفسیات و پیرامیٹرکالوجی رویوں کی اس کامیابی سے پریشان ہیں کیونکہ وہ یہ بات سمجھ چکے ہیں کہ اگر کوئی قوم روحانی طریقہ پر دماغی کارکردگی کو سمجھ کر تخریب پر آمادہ ہو جائے تو ساری نوع انسانی اس قوم کی غلامی پر مجبور ہو جائے گی اور تمام دنیا کے وسائل اس قوم کے تصرف میں آجائیں گے۔

روحانیت اور استدراج

سوال: شیطان کی پستی کی مشقوں کے دوران جن لوگوں کے اوپر واردات و کیفیات مرتب ہوئی ہیں انہوں نے زیادہ تر ایسے حالات قلم بند کئے ہیں جن میں ان کی نیک ارواح سے ملاقات ہوئی اور مقامات مقدسہ کی انہوں نے زیارت کی۔ یہ بھی ہوا ہے کہ کچھ لوگوں نے ماورائی مخلوق سے گفتگو کی۔ کسی صاحب مشق نے یہ نہیں لکھا کہ اس کی ملاقات ذریت ابلیس سے ہوئی ہے جب کہ ماورائی مخلوق میں بد روحیں اور ذریت ابلیس بھی شامل ہیں۔ براہ کرم اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: تمام علوم ستری، جن میں شیطان یا انتقال خیال کا علم بھی شامل ہے، کو سمجھنے، سیکھنے اور ان علوم سے استفادہ کرنے کی دو طرز ہیں۔ ایک روحانی طرز ہے اور دوسری کا نام استدراج رکھا گیا ہے۔

تکلیف یہ ہے کہ اگر علم کی معنوی حیثیت تعمیر ہے تو وہ حقا ہے اور اگر علم کی معنوی حیثیت تخریب ہے تو وہ شیطنت ہے۔ حق اور شیطنت دونوں کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ روحانی اور شیطانی دونوں گروہوں کی طرز فکر اور کلمہ طریق جدا جدا ہیں۔ کلمہ طریق طرز فکر کو متحرک کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

استدراجی طرز سے وابستہ لوگوں کے کلمہ طریق 'دیواہ اور کالی واہ' ہیں۔ یہ الفاظ سیدنا نوح علیہ السلام سے بھی پہلے کے ہیں۔ حضرت نوح کے زمانے تک اہل حق کا جو کلمہ طریق رہا

وہ لفظ اللہ اور الا اللہ کے ہم معنی تھا۔ حضرت نوح کے بعد تمناہ اور تمناہ حق پرست لوگوں کا کلمہ طریق ہو گیا۔ 'دیواہ اور کالی واہ' منسوخ کر دیا گیا۔ مگر کچھ لوگوں نے اس منسوجی کو تسلیم نہیں کیا۔ اور اپنی تخریبی طرز فکر کے لئے اسی کلمہ طریق بنائے رکھا۔ اور ان لوگوں کے انکار کا وجہ سے یہ استدراج کا کلمہ طریق بن گیا۔ پھر حضرت ابراہیم سے کئی صدیاں پہلے اللہ اور الا اللہ کو کلمہ حق قرار دیا گیا۔ تمناہ اور تمناہ حق منسوخ قرار دیا گیا۔ اس وقت سے اب تک حق پرست لوگوں کا کلمہ طریق اللہ اور الا اللہ ہے اور قیامت تک برقرار رہے گا۔ اس کے عکس ذریت ابلیس اور شیطنت نے پروکاروں نے ابھی تک 'دیواہ اور کالی واہ' کو اپنا کلمہ طریق بنایا ہوا ہے۔

علم اور اس کی طرزوں کی تشریح قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کے واقعہ میں کی گئی ہے جب حضرت موسیٰ کو حق کا نمائندہ بنا کر فرعون کی طرف بھیجا گیا تو فرعون نے پیغمبر خدا کے معجزات کو استدراجی علوم پر قیاس کیا۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ کو جادوگر قرار دے کر اپنے ملک کے تمام بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کر لیا تاکہ وہ حضرت موسیٰ سے مقابلہ کر کے انہیں زیر کریں۔

مقابلے کے دن، میدان میں ایک طرف اللہ کے پیغمبر حق کے نمائندے حضرت موسیٰ اور حضرت ہرون علیہ السلام تھے اور دوسری طرف ابلیس، استدراج کے نمائندے، جادوگر۔

جادوگروں نے اپنی رستیاں، بان اور لائیٹیاں پھینکیں جو ساپوں، درازدہوں کی صورت اختیار کر گئیں۔ اس کے منہ سے میں دس لہجے کے مطابق حضرت موسیٰ نے اپنا عصا

زمین پر پھینکا اور وہ اثر دہا بن کر، تمام طلسمی سانپوں اور اڑدہوں کو نگل گیا۔

توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ جادوگر اپنی رسایاں پھینکتے ہیں تو وہ سانپوں اور اڑدہوں کی شکل اختیار کر جاتی ہیں اور حضرت موسیٰ اپنا عصا زمین پر گڑالتے ہیں تو وہ بھی اڑدہا بن جاتا ہے یہاں تک توجہ دہوں کے فن اور حضرت موسیٰ کے معجزے میں کوئی منسرق نظر نہیں آتا۔ لیکن ایک قدم آگے بڑھ کر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ موسیٰ کا معجزہ جادوگروں کے فن پر غالب آ جاتا ہے۔ جادوگروں اور حضرت موسیٰ کا یہ مقابلہ استدراجی اور روحانی علوم کے درمیان فرق کی ایک واضح تشریح ہے۔ اس واقعے سے یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ جادوگر حُب دنیا میں اپنے علم سے فرعون کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اس کے برعکس، حضرت موسیٰ کا مشن مخلوق خدا کی خدمت اور رضائے الہی کا حصول ہے۔ ان کو جو علوم ملے ہیں وہ اللہ کے عرفان تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

اس کتاب میں ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ اس کلمہ طریقی اور طرز فکر کے تحت ہے جو انبیاء اور اولیاء اللہ کی طرز فکر ہے۔ کیوں کہ واردات و کیفیات سے پہلے یہی پیشی کے طالب علم کے ذہن میں تعمیری طرز فکر کا پیٹرن (PATTERN) بن گیا ہے اس لئے جو کچھ واردات و کیفیات میں سامنے آیا وہ اس پیٹرن کے مطابق ہے۔ یہی تعلیم اگر کوئی شخص ذریعہ الہی کے کلمہ طریقی کے مطابق حاصل کرے تو یہ سب علم روحانیت کی بجائے علم استدراج بن جاتا ہے۔ تمام خبیثوں، حضرت ابراہیم سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک سب کی تعلیمات یہ رہی ہیں کہ انسان اس استدراجی قوتوں سے محفوظ رہے اور روحانی قوتوں سے متعارف ہو کر اپنا عرفان حاصل کر لے۔ اس لئے کہ روحانی قوت اور طرز فکر میں تعمیر ہے۔ اس کے برعکس تخریب، توڑ پھوڑ، سفاکی، درندگی اور نوبہ انسانی و تکلیف پہنچانے کا نام استدراج ہے۔

قرآنی آیات سے علاج کی منہ نکالنا

مختصر فہرست

اجازت اور تعویذ کی زکوٰۃ
آسیب کا علاج
آفات دینی و مادی
بواسیر، بربس (سینہ داغ)
پیش، پائیسریا
شاذ کی کمزوری

بیٹنگان
امراضی
اتحان
میں کامیابی
روحانی علاج
خواجہ شمس الدین عظیمی

اختلاج قلب، گزیا
اعصاب کی کمزوری
اور لاد کا نافرمان ہونا
احساس کمزوری
بخار، خسرہ
ہم اقبیان (سوکھا)
بستر پر پشیمانی
نقرہ گجھا
بچوں کا گم ہونا
حادثہ کمزور ہونا
بلڈ پریشر، خوروس بریکڈنٹ
بیاری کے بعد کمزوری
بدبختی کی وجہ سے پریشانی
چہرے میں کشمکش پیدا کرنا
جسٹو کا توڑ
جس ریاچ (گیس)
مسب و خوار شادی
رومانی قوتوں کی فروغی
روہ، داد، ذیابیطیس
شور اور بیک کے معاملات
عورتوں کے جو امراض
فالج اور لقوہ
استدراجی امراض
بلڈ پریشر، خوروس بریکڈنٹ
کینسر یا سرطان اور مزید
۱۳۸ مسائل کے حل

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ

پوسٹ بکس ۲۲۱۳ کراچی ۱۸

روحانی ڈائجسٹ

پوسٹ بکس ۲۲۱۳ کراچی ۱۸

آپ کا اور آپ کے بچوں کا مسئلہ

اس رسالہ میں حضرت حاجی امجد الدہا جگر کی مولانا قنصل الرحمان شیخ مراد آبادی، حضرت حاجی وارث علی شاہ، حضرت بابا تاج الدین ناگپوری، ابدال حق قنصل دربابا اولیاء اور دوسرے اولیائے کرام کے معنی علوم ہر ماہ پیش کئے جاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے قصص، آپ کے مسائل کا روحانی اور نفسیاتی حل، لا علاج بیماریوں کا علاج اور روحانی کہانیاں پیش کی جاتی ہیں۔

خواب کی تعبیر کے ذریعے آپ کے مستقبل کی نشاندہی کی جاتی ہے

دین و دنیا کی برکتیں

سینے کیلئے یہ رسالہ دنیا میں

ہر جگہ دستیاب ہے

قریبی مسائل
یا
اپنے بھائی کے
سے طلب کریں۔

روحانی علاج روحانی نماز رنگ روشنی سے علاج ٹیلی ویشن سے دیکھئے

اور

تذکرہ قلندر بابا اولیاء

خواجه شمس الدین عظیمی کئی کئی بار کے بعد

جنت کی سیر

شائع ہوئی ہے

اس کتاب میں سلوک کی تعلیمات کے دوران پیش آنے والی واردات کیفیات کو سادہ اور دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے

چند منتخب عنوانات

اشرفی کی آواز دور رخ کا شبہ زمین کی روحانی حیثیت	آدیوار اللہ کی نماز صحابی جن کی زیارت نیکوئی کا سفر آخرت	مہر نوبت روحانیت میں سانس کا ماحول گہکار کا سفر اسطرت	فرشتوں سے ہمکاری غلامین چیل قدمی جنت کی سیر و جیس
--	--	---	---

اپنے قریبی بکسٹال سے یا براہ راست ہم سے طلب کریں۔
ہیرہ بانہ روپے

مکتبہ روحانی ڈائجسٹ

ناظم آباد، پوسٹ بکس ۱۳۱۳، کراچی ۱۔K-13

کتابوں کی خرید و فروخت
کراچی
۱۳۱۳